بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ ردِّ روافض

مصنف

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ الصمدانی

مترجم

غلام مصطفٰے مجددی ایم اے

نگاہِ عشق و مستی میں وُہی اوّل وُہی آخر
وُہی قرآں ، وُہی فرقاں ، وُہی یٰسیں ، وُہی طٰہٰ

تعارف

☆☆☆
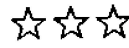
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں، خراسان میں روافض نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے خلاف فتنہ سب وشتم برپا کیا تو علمائے ماوراالنہر نے ان کے خلاف جہاد وقتال کے لزوم کا فتویٰ صادر فرمایا چنانچہ اہلِ اسلام نے اُن کو خوب سزا دی، مشہد کا محاصرہ کیا۔ اس دوران رافضی علماء نے، علمائے ماوراالنہر کے فتوی کا رد لکھا، وہ تردیدی رسالہ ہندوستان میں پہنچ گیا۔ اور وہاں بھی فتنہ برپا ہو گیا۔ اکبری و جہانگیری دور میں مرزا غیاث بیگ اور اس کی نورِ نظر نور جہاں کی بدولت روافض خوب پروان چڑھ رہے تھے، امراء و روساء سے لے کر عوام تک ان کے اثرات دکھائی دینے لگے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان کے خاتمے کا تاریخی بیڑا اُٹھایا۔ آپ نے روافض سے مناظرے کئے۔ یہ رسالہ رد روافض بھی انہی مساعیٔ جمیلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضرت خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمتہ زبدۃ المقامات میں فرماتے ہیں۔

''و بعضے رسائل شریفہ بہ تازی و بہ فارسی در نہایت بلاغت و فصاحت تصنیف فرمودہ کہ ازاں جملہ است رسالہ تہلیلیہ و رسالہ رد شیعہ با آنکہ در ایام ارباب تشیع دراں بلاد در غایت حشمت و جاہ بودند و بہ سلطان تقرب تمام و قرابت داشتند نیز بہ دین و ارباب دین در نہایت عداوت بود لیکن جوش غیرت اسلام کہ حضرت ایشاں را حق تعالیٰ سبحانہٗ عطا فرمودہ بود ملاحظہ این و آں در خاطر عاطر شان فتور نمی نمود'' (ص ۲۰۳)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے بھی لکھا کہ اس فتنے کو ختم کرنا مسلمانوں کی گردنوں پر حضرت مجدد کا احسان ہے۔

درحقیقت یہ سالہ رافضی علماء کے اس تردیدی رسالہ کا رد بلیغ ہے۔ حضرتِ مجدد پہلے علماء ماورالنہر کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں، پھر شیعہ حضرات کا جواب اور اس کے جواب میں علماء ماورالنہر کی تائید میں دلائل و براہین سے اسلامی عقائد و نظریات کو ثابت کرتے ہیں۔ **جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء.** منشی حبیب الدین سوزاںؔ نے اس رسالہ پر کیا خوب تبصرہ فرمایا۔

ہر نکتہ سر بستہ او نافہ مشک است ہر نقطہ او شوخی از چشم غزال ا

فیض رقمش از تتق غیب سروش است مدِ قلمش در افق فضلِ ہلال ا

صد باز زسر تا سر ہر حرف گزشتم لیلیٰ است کہ سرتا بہ قدم غنج و دلال ا

دریوزہ گر زلّہ او یند حریفاں
الحق رگِ ابر قلمش، بحرِ نوال است

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ حمداً کثیراً طیّباً مبارکاً علیہ کما یحبُّ رُبنا و یرضٰی والصّلوۃ واسلام علٰی سیدنا محمّدٍ اکرمِ البشَرِ المبعوث الی الاسود و الاحمر کماینا سب بعلوِ شانہٖ و یحویٰ وعَلٰی خلفاء الراشدین المھدیین و ذُرِیّتہٖ وَاھْل بیتہٖ الطیبین الطاھرین وسائر اصحابہٖ المرضین کما یَلِیْقُ بمراتِبِھِمُ العُظمٰی و درجَاتِھِم العُلیاء.

امابَعْد

ابتدائیہ:

یہ بندہ کمترین جو خداوندِ واحد وصمد کی رحمت کا محتاج ہے اور علماء اہل سنت و جماعت کا خادم ہے، احمد بن عبدالاحد عمری و فاروقی نسباً، سرہندی مولداً حنفی ملۃً و مذہباً

کہتا ہے کہ دیار ہندوستان ہر چند تمام ممالک سے اسلام میں متاخر ہے اور کوئی صحابی اس اقلیم میں تشریف فرما نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی اسلام یہاں ظاہر ہوا۔ سلاطین اسلام نے اسے مضبوط کیا اور مشائخ عظام اور اولیاء کرام ''اطراف و جوانب'' سے تشریف لائے۔ زمانہ بہ زمانہ دین کے معالم اور اسلام کے اعلام ترقی کرتے رہے کہ اس ملک کو تمام ممالک سے ایک وجہ سے نہیں متعدد وجوہات سے ''مزیت وفضیلت'' حاصل ہوگئی۔ اس کے تمام اسلامی باشندے ''عقیدہ حقہ'' اہل سنت و جماعت پر ہیں، اور اہل بدعت و ضلالت کا اس دیار میں نشان نہیں۔ سب ''طریقہ مرضیہ حنفیہ'' رکھتے ہیں۔ حتی کہ اگر کوئی شخص بالفرض مذہبِ شافعی و حنبلی رکھتا ہو، ڈھونڈنے سے نہیں ملتا اگرچہ یہ اہلِ حق کے مذاہب ہیں اور اہلِ ہوا و بدعت سے گریز پا ہیں، حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ والرضوان ملکِ ہند کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

خوشا ہندوستان و رونقِ دین ۔۔۔ شریعت را کمالِ عز و تمکیں
زبردستان ہند و گشتہ پامال ۔۔۔ فرودستان ہمہ درد ادن مال
بدیں عزت شدہ اسلام منصور ۔۔۔ بداں خواری سران کفر مقہور
بہ ذمت گر نہ بودے رخصتِ شرع ۔۔۔ نہ ماندے نام ہندو زاصل تا فرع
زغزنین تالبِ دریا دریں باب ۔۔۔ ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
نہ ترسائے کہ از نا ترسگاری ۔۔۔ نہد بر بندہ داغِ کردگاری
نہ از جنس جہوداں جنگ و جوریت ۔۔۔ کہ قرآں کند دعویٰ بہ توریت
نہ مغ کز طاعت آتش شود شاد ۔۔۔ و زو باصد زباں آتش بہ فریاد
مسلمانانِ نعمانی روش خاص ۔۔۔ زدل ہر چار آئیں رابہ اخلاص
نہ کیں باشافعی نے مہر بازید ۔۔۔ جماعت راو سنت رابہ جاں صید

نہ اہل اعتزالے کز فن شوم   ز دیدارِ خد اگردند محروم

نہ رفض تار سدزاں مذہب بد   جفائے بر وفا دارانِ احمد

نہ زاں سگ، خارجی کز سینہ سازی   کند باشیرِ حق روباہ بازی

زہے ملکِ مسلماں خیز و دیں جوئے

کہ ماہی نیز سُنّی خیزد از جوئے

یعنی ہندوستان رونق دین ہے، جہاں شریعت کوعزت وتمکنت کا کمال حاصل ہے، اسلام منصور ہے، کفر مقہور ہے۔غزنی سے اس لب دریا تک اسلام ہی اسلام ہے، یہاں یہود نصاریٰ، آتش پرست، معتزلہ، خارجی، رافضی کوئی نہیں، سب اہل سنت و جماعت مسلمان ہیں۔ یہاں کے دریا کی مچھلی بھی سُنّی کہلائے گی (ملخصا)

تقریباً پانچ سو سال اِسی ''مرافت و لطافت'' میں گزرے، تا آنکہ خاقانِ اعظم عبداللہ خان کے دور میں شیعہ نے (خراسان) میں غلبہ وشیوع پیدا کر رکھا تھا۔ (اُس نے خراسان پر حملہ کیا) بعض شیعہ قتل ہوئے اور ہوئے اور بعض جلا وطن ہو کر ہندوستان آئے اور حکام وسلاطین کا تقرب حاصل کر کے بعض جُہلا کو جھوٹے مقدمات اور فریب زدہ مغالطات سے گمراہ کیا اور راہ سے دور لے گئے۔ ہر چند اقلیم خراسان میں فتنہ وفساد سے سکون ہوا اور مسلمان ان کی شرارت سے آزاد ہوئے۔ لیکن دیار ہند میں ان بدکیشوں کے ''قدومِ بد'' کی بدولت مسلمانوں میں ''فتور عظیم'' واقع ہوا اور فتنہ از سرِ نو بیدار ہو گیا۔منقول ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دُعا کی ''الٰہی اہلِ خراسان کی جمعیت پر نگاہ رکھ اور تفرقہ سے امان بخش! مریدوں نے کمالِ تعجب سے پوچھا ''یا شیخ یہ دُعا کیا ہے، جو آپ نے اِن بے دولتوں کے بارے میں کی، فرمایا اِن کا تفرقہ تمام عالم کے ''تفرقہ وضلالت'' کا موجب ہے اور فتنہ خفتہ کی بیداری کا سبب

ہے۔

اسی دوران عبداللہ کے محاربہ مشہد کے وقت شیعہ نے جواباً ماوراالنہر کے علماء کرام کو رسالہ لکھا، اس جوابی رسالہ میں باب ''مسلمانوں پر تکفیر شیعہ اور ان کے اخذِ اموال کی اباحت'' میں اس قلیل البضاعت نے اس کے ابلہ فریب مقدمات کو بغور پڑھنے سے یہ (نتیجہ) حاصل کیا کہ اس میں خلفائے ثلاثہ کی تکفیر ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذم و تشنیع ہے۔ بعض طلبہ شیعہ اِن حدود سے متردد تھے اور ان مقدمات پر ''افتخار و مباہات'' ظاہر کرتے تھے۔ امراء و سلاطین کی مجالس میں ان مغالطات کو شہرت مل رہی تھی، اگرچہ یہ فقیر ان ''مجالس و معارک'' میں بالمشافہ ان ''منقولہ و معقولہ'' مقدمات کو رد کرتا اور ان کی صریح غلطیوں کی اطلاع دیتا رہا مگر میری حمیتِ اسلام اور رگِ فاروقی نے اِس قدر ''ردو الزام'' پر کفایت نہ کی۔ اور سینہ بے کینہ کی شورش کو تشفی نہ ہوئی۔ خاطرِ فاتر کا قرار اس میں ہے کہ ان کے مفاسد کا اظہار اور ان بدکیشوں کے مطالب کا ابطال جب تک ''قید کتابت'' اور ''حیز تحریر'' میں نہ آئے گا فائدہ تمام اور نفع عام نہ ہوگا۔ پس میں نے ان کے ''مقاصدِ فاسدہ'' اور ''عقائد کاسدہ'' کی تردید کی۔ جو اس رسالہ میں وارد تھے۔ میں نے اللہ صمد و ودود کی مدد سے اپنا مقصود حاصل کیا۔ بے شک وہی حفاظت کرنے والا مولا ہے اور مددگار ہے، اور اسی کی طرف سے توفیق اور تحقیق ہے۔

رافضیوں کے مختلف گروہ:

جان لو! اللہ تعالیٰ نے تمہارا ارشاد اچھا کیا۔ شیعہ، حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام برحق مانتے ہیں، نصِ جلی سے یا نصِ خفی سے، اور کہتے ہیں کہ امامت ان کی اولاد سے باہر نہیں جاسکتی۔ اگر جائے گی تو ظلم سے جو ان

کے غیر نے ان پر ڈھایا، یا تقیہ سے جو حضرت علی نے کیا یا ان کی اولاد نے۔ شیعہ کے کثرتِ طرق اور تعددِ اصناف کے باوجود بائیس گروہ ہیں۔ ہر گروہ نے دوسرے گروہ کا رد کیا ہے اور اس کے ''قبائح وشنائع'' کو ظاہر کیا ہے۔ و کفی اللّٰہ المومنین القتال بتقاتلھم

ہمیشہ باد خصومت جھود و تر سارا
کہ قتلِ ہر دو طرف خوب تر بود مارا

یعنی ہمیشہ یہود و نصاریٰ کی دشمنی کی ہوا اور ہر دو طرف کا قتل ہمارے لئے خوب تر رہا۔ اُن کے قدما اور اقدمین میں اور ''اوائل واواخر'' میں تفاوتِ عظیم ہے۔ مگر ان کے جمیع فرقے ''کمالِ تعصب وعناد'' کے سبب ''لعن وتکفیر'' کے مستحق ہیں کہ ان کا بہترین عمل اور فاضل ترین عبادت ہمارے اسلاف کو گالیاں دینا اور خلفائے راشدین پر طعن کرنا ہے۔ بلکہ ان کی تکفیر کرنا ہے۔ اِن مباحث کی تحقیق عن قریب مذکور ہوگی۔ انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا

حضرت خواجہ حافظ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ۔

ترسم ایں قوم کہ بر درد کشاں میخندند
بر سر کارِ خرابات کنند ایماں را

ہم اپنے مقصود کے آغاز سے قبل ان کے چند گروہوں کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے مقاصد کی حقیقت پر اطلاع کرتے ہیں کہ ان بداندیشوں کے ''فضائح وشنائع'' مکمل طور پر معلوم ہو سکیں۔

۱۔ طائفہ سبائیہ: یہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب ہیں، وہ ان کا قدیم رئیس ہے۔ اس نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہٗ کو معبود کہا۔ اور انہوں نے اسے شہر مدائن سے نکال دیا۔ وہ کہتا

تھا کہ ابن ملجم نے حضرت علی کو شہید نہ کیا بلکہ شیطان کو مارا جوان کی صورت میں متمثل ہو چکا تھا، حضرتِ علی تو بادل میں ہیں۔ چنانچہ رعد ان کی آواز ہے اور برق اُن کا تازیانہ ہے۔ اور اس کے تابع دار آوازِ رعد کی سماعت کے دوران ''علیک السلام یا امیر المومنین'' کہتے ہیں۔

۲۔ طائفہ کاملیہ: یہ ابوکامل کے اصحاب ہیں، یہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں اس لیے کہ اُنھوں نے حضرتِ علی کی بیعت نہ کی نیز حضرت علی کی بھی تکفیر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا حق ترک کیا اور وہ تناسخ کے قائل ہیں۔

۳۔ طائفہ بیانیہ: یہ بیان بن سمعان کے اصحاب ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا انسان کی صورت ہے۔ وہ چہرے کی سوا سب ہلاک ہو جائے گا، روحِ خدا نے حضرتِ علی میں، ان کے بعد محمد بن الحنفیہ میں، ان کے بعد ان کے بیٹے ہاشم میں اور ان کے بعد بیان میں حلول کیا۔

۴۔ طائفہ مغیریہ: یہ مغیرہ بن سعید عجلی کے اصحاب ہیں، یہ کہتے ہیں کہ خدا مردِ نورانی کی صورت میں ہے۔ اس کے سر پر نور کا تاج ہے اور اس کا دِل حکمت کا منبع ہے۔

۵۔ طائفہ جناحیہ: یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر ذی الجناحین کے اصحاب ہیں، تناسخِ ارواح کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ روح خدا نے پہلے آدم میں پھر شیث میں اور اس طرح انبیاء کرام اور ائمہ میں، پھر حضرتِ علی اور ان کی اولاد میں حلول کیا۔ اس کے بعد عبداللہ میں حلول کیا، یہ گروہ منکرِ قیامت ہے۔ محرمات کو حلال جانتا ہے، مثلاً شراب، مردار اور زنا وغیرہ۔

۶۔ طائفہ منصوریہ: یہ ابو منصور عجلی کے اصحاب ہیں۔ وہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتا تھا۔ حضرت امام اُس سے بیزار ہو گئے اور اس کو نکال دیا، سو وہ

امامت کا دعویدار ہوا۔ اس کے اصحاب کا عقیدہ ہے کہ ابومنصور آسمان پر گیا اور حضرتِ حق سبحانہٗ نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر مسح کیا اور فرمایا بیٹا جا! میرے لئے تبلیغ کر، اس کے بعد وہ زمین پر آیا، وہی کسف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا قول ہے، وان یروا کسفاً من السماء ساقطاً یقولو اسحاب مرکوم اور انہی کا قول ہے کہ رسالت غیر منقطع ہے۔ جنت سے مراد امام ہے، جس کی محبت پر ہم مامور ہیں، اور نار اس شخص کی طرف کنایہ ہے جس کے بغض کا ہمیں حکم ہے۔ جیسے ابوبکر و عمر، اسی طرح فرائض سے مراد وہ جماعت ہے جس کی محبت کا امر فرمایا گیا اور محرمات سے مراد وہ طائفہ ہے جس کی نفرت کا امر فرمایا گیا۔

۷۔ طائفہ خطابیہ: یہ ابوخطاب اسدی کے اصحاب ہیں۔ وہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتا تھا۔ جب امام کو اپنے بارے میں اس کا غلو معلوم ہوا تو بیزار ہو گئے اور اسے اپنی صحبت سے اُٹھا دیا۔ پھر اُس نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ ائمہ، انبیاء ہیں، نیز ابوخطاب نبی ہیں۔ بلکہ اس نے اس قدر گمراہی پر کفایت نہ کی، کہنے لگا ائمہ، خدا ہیں، جعفر صادق خدا ہے، مگر ابوخطاب ان سے اور حضرت علی سے بھی افضل ہے۔ اِس گروہ نے اپنے مخالف پر اپنے موافق کے لئے جھوٹی گواہی کو حلال ٹھہرایا۔ نیز کہتے ہیں کہ جنت دنیا کی نعمتوں کا نام ہے اور نار اُس کے غموں کا نام، دنیا ہرگز فنا نہ ہوگی۔ محرمات کو اور فرائض چھوڑنے کو جائز مانتے ہیں۔

۸۔ طائفہ غُرابیہ: اس گروہ کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ تر تھے، جیسے کوے کو کوے سے اور مکس کو مکس سے مشابہت ہوتی ہے۔ حق سبحانہٗ نے حضرتِ علی کی طرف وحی بھیجی، جبریل کو کمالِ مشابہت کی وجہ سے دھوکہ ہوا۔ انہوں نے وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی۔ اُن کا شاعر کہتا ہے ع

غَلطَ الامین فجازہ عن حَیدرہ

یعنی جبریل امین نے غلط کیا، خدا نے اپنے حیدر سے اُس کو جائز قرار دیا، وہ حضرت جبریل پر لعن کرتے ہیں۔

۹۔ طائفہ ذمیہ: یہ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں کہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا تھے، انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا کہ لوگوں کو ان کی طرف بلائیں، انہوں نے لوگوں کو اپنی طرف بلایا، بعض ذمیہ اُن دونوں کو خدا مانتے ہیں۔ ان میں ایک جماعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت میں مقدم مانتی ہے اور دوسری جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔ اُن میں ایک جماعت پانچ خداؤں کی قائل ہے، اور وہ ہیں اصحابِ عَبا۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ عنہم۔ اس کا عقیدہ ہے یہ پانچوں ہی شے واحد ہیں اور ان میں روح نے برابر حلول کیا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر ہرگز کوئی مزیت وفضیلت نہیں۔ وہ فاطمہ کی تاء تانیث کو نہیں مانتے کہ شائبہ تانیث سے بچا جا سکے۔

۱۰۔ طائفہ یونسیہ: یہ یونس بن عبدالرحمٰن قمی کے اصحاب ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا عرش پر ہے، ہر چند فرشتوں نے اس کو اُٹھایا ہے مگر وہ فرشتوں سے زیادہ قوت والا ہے جیسا کہ کلنگ کہ وہ اپنے دونوں پیروں پر زور ڈالتا ہے، وہ اپنے دونوں پیروں کی بدولت بڑا اور زیادہ قوی ہے۔

۱۱۔ طائفہ مفوّضہ: ان کا کہنا کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو تخلیق فرمایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کر دی۔ اور ان کے لئے دنیا کی ہر چیز مباح قرار دی، بعض کا کہنا ہے، دنیا حضرت علی کو سونپ دی گئی۔

۱۲۔ طائفہ اسماعیلیہ: یہ باطن قرآن کے قائل ہیں نہ ظاہر قرآن کے۔ اور کہتے ہیں

کہ باطن کی نسبت ظاہر کے ساتھ اس طرح ہے جس طرح مغز کی چھلکے کے ساتھ۔ اور جو کوئی ظاہر قرآن سے تمسک کرتا ہے وہ اوامر کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کے عذاب و مشقت میں گرفتار رہتا ہے۔ اور باطنِ قرآن اُس کے ظاہر سے ترکِ عمل تک لے جاتا ہے۔ اس مطلب میں وہ قرآن کی اِس آیت سے تمسک کرتے ہیں۔ حق عزوجل نے فرمایا فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّھُمْ بَابٌ بَاطِنُہٗ فِیْہِ رَحْمَۃٌ وَ ظَاھِرُہٗ مِنْ قَبْلِہِ الْعَذَابُ. وہ محرمات کو مباح جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کے ناطق پیغمبر سات ہیں۔ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، حضرت محمد علیہ وعلیہم السلام، اور محمد مہدی کو رسولوں میں خیال کرتے ہیں۔ ان کی دعوت کی اصل شرائع کا ابطال ہے۔ وہ احکامِ شریعت میں شکوک ڈالتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں حائضہ کے لئے روزے کی قضا ہے نماز کی کیوں نہیں؟ غسل، منی سے کیوں واجب ہوتا ہے۔ پیشاب سے کیوں نہیں۔ بعض نمازوں میں چار رکعت، بعض میں تین رکعت اور بعض میں دو رکعت کیوں فرض ہوئیں۔ وہ شرائع کی تاویلیں کرتے ہیں، وضو سے مراد امام کی موالات اور نماز سے مراد رُسول ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت لیتے ہیں ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر، اور کہتے ہیں کہ احتلام کسی نااہل انسان کے سامنے اسرار کو کھول دینے کا نام ہے، اور غسل تجدید عہد ہے، زکات کو معرفتِ دین کے ساتھ تزکیہ نفس خیال کرتے ہیں۔ کعبہ نبی ہے اور باب علی، صفا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مَروہ حضرت علی اور طواف ہفتگانہ ائمہ سبعہ کے موالات کو تصور کرتے ہیں۔ جنت، تکالیف سے جسموں کی راحت ہے، اور نار مزاولتِ تکالیف سے جسموں کی مشقت، وہ اِس قسم کی بہت سی خرافات رکھتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ خداوند نہ موجود ہے اور نہ معدوم ہے۔ نہ عالم ہے اور نہ جاہل ہے۔ نہ قادر ہے اور نہ عاجز ہے۔ جب حسن بن صباح ظاہر ہوا اُس نے اس

دعوت کی تجدید کی۔اور خود کو نیابتِ احکام کا مستحق سمجھا ان کے زعم میں زمانہ امام سے ہر گز خالی نہیں ، یہ عوام کو علوم میں غور کرنے سے اور خواص کو کتبِ متقدمہ کے دیکھنے سے روکتے ہیں کہ ان کی فضیحتوں اور قباحتوں سے آگاہ نہ ہوسکیں۔ یہ دامانِ فلاسفہ کو تھام کر احکامِ شریعت کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔

۱۳۔طائفہ زیدیہ: یہ زید بن علی زین العابدین کے ساتھ منسوب ہے۔اس طائفہ کے تین گروہ ہیں۔اوّل جارُودیہ جو امامتِ علی پر نصِ خفی کے ساتھ قائل ہیں۔اور صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کی بیعت چھوڑ دی تھی۔دوم سلیمانیہ جو کہتے ہیں کہ امامت خلائق کے درمیان شوریٰ ہے۔یہ حضرت ابوبکر وعمر کو امام مانتے ہیں اگر چہ لوگوں سے خطا واقع ہوگئی کہ انہوں نے حضرت علی کے ہوتے ہوئے ان کی بیعت کی۔ہاں وہ یہ خطا حدِ فسق تک نہیں لے جاتے۔یہ حضرت عثمان ، طلحہ ، زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں۔سوم تبریہ ، جو سلیمانیہ سے موافق ہے، مگر یہ عثمان غنی کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔اکثر زیدیہ اس زمانہ میں مقلد ہیں، وہ اُصول میں معتزلہ کی طرف اور فروع کے چند مسئلوں میں مذہبِ ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی طرف راجع ہیں۔

۱۴۔طائفہ امامیہ: یہ خلافتِ علی پر نصِ جلی کے ساتھ قائل ہیں۔اور صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں امام جعفر صادق کی امامت تک ان کا اتفاق ہے۔ان کے بعد امام منصوص علیہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ان کا مشہور اور مختارِ جمہور اس ترتیب پر ہے۔امام جعفر، کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ الکاظم (امام) ہیں، انُ کے بعد علی بن موسی الرضا، محمد بن علی التقی علی بن محمد النقی، حسن بن علی العسکری محمد بن علی المہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو امامِ منتظر ہیں (امام ہیں) اس طائفہ کے اولین ان ائمہ کرام کے ہم مذہب تھے، اور

متاخرین تمادیِ ایام کے سبب بعض معتزلہ کی طرف رجوع کر گئے اور بعض مشبہہ کی طرف۔

یہ اِن گمراہ اور گمرہ کن فرقوں کا آخر بیان ہے۔ اِن میں دوسرے چند گروہوں کا ذکر نہیں کہ وہ اصول وعقائد میں اِن طوائف کے موافق ہیں مگر چند مسائل میں تھوڑا اِختلاف رکھتے ہیں۔

--------OOO--------

عقائدِ روافض کی حقیقت:

پوشیدہ نہیں کہ جس شخص کو بھی ادنیٰ سی تمیز و درایت حاصل ہے اور ان کے مطالب کی حقیقت سے آگاہ ہے، وہ دلائل کی طرف رجوع کیے بغیر ان کے مفاسد کا فیصلہ کر سکتا ہے، کیونکہ ان کے مقاصدِ موہومہ بالکل ظاہر ہیں اور ان کا بطلان بدیہی ہے۔ وہ کمالِ جہالت سے خود کو اہلِ بیت پیغمبر اور ائمہ اثناعشر سے منسوب کرتے ہیں، اور ان کی متابعت وموالات کا دعویٰ کرتے ہیں، حاشا و کلاً ثم حاشا و کلاً کہ وہ ان کی محبتِ مفرطہ سے بیزار ہیں۔ اور ان کی متابعت کو قبول نہیں فرماتے، ان بدکیشوں کی محبت، محبتِ نصاریٰ کے رنگ میں ہے۔ اِس کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تجھ میں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے، ان سے یہود نے بغض رکھا حتیٰ کہ ان کی پاک ماں پر بہتان لگایا، اور ان سے نصاریٰ نے محبت کی اور ان کو اس مقام پر کھڑا کیا جو ان کے لئے نہیں تھا۔ پھر فرمایا میرے بارے میں بھی دو افراد ہلاک ہوں گے۔ ایک افراط کرنے والا محب جو میرے بارے میں افراط کرتا ہے، اور دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا جو مجھ پر بہتان باندھتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے، اِذْ تبرَّا الذین

اتبعوا من الذین اتبعوا یعنی جب متبوع اپنے تابعداروں سے بیزار ہوں گے، اور ان کی متابعت قبول نہ کریں گے، اُن کے حال میں نشان ہے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب، لیجئے اب ہم ان کے اعتراضاتِ واہیہ کا جواب شروع کرتے ہیں معتصما بحبل اللہ الملک الکبیر انہ علٰی ما یشاء قدیر و بالاجابۃ جدید۔

--------OOO--------

صحابہ کرام کا دفاع:

علماء ماوراالنہر شکر اللہ سعیہم نے فرمایا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے ثلاثہ کی کمال تعظیم وتوقیر فرماتے تھے، ہر ایک کی تعریف میں احادیث کثیرہ وارد ہوئیں، چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال وافعال وَمَا ینطق عن الھویٰ اِن ھُو الاّ وحیٌ یُوحیٰ کے مطابق موجب وحی ہیں اس لئے شیعہ جو اُن کی مذمت کرتے ہیں، وحی کی مخالفت کرتے ہیں اور وحی کی مخالفت کُفر ہے۔

روافض کا جواب:

شیعہ نے ان کے جواب میں بطریق معارضہ کہا کہ اس دلیل سے تو خلفائے ثلاثہ کی قدح اور اُن کی خلافت کا بطلان لازم آتا ہے۔ کیونکہ شرح مواقف میں اکابر اہلسنت میں سے آمدی سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مبارک کے قریب اہلِ اسلام کے درمیان مخالفت واقع ہوئی۔

مخالفتِ اوّل: یہ تھی کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وصال میں فرمایا کہ ایتونی بقرطاس اکتب لکم شیاً لا تضلّوا بعْدہ، میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں

تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں جس سے بعد میں تم گمراہ نہ ہوگے، حضرتِ عمر اس امر سے راضی نہ ہوئے اور کہا ان الرجل غلبه الله الوجع و عندنا کتاب الله حسبُنا، بے شک حضور پر اللہ نے درد غالب کیا ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو کافی ہے، پس صحابہ نے اختلاف کیا کہ آواز زیادہ ہوگئی اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی سے آزردہ ہوئے اور فرمایا اُٹھ جاؤ! میرے پاس نزاع درست نہیں۔

مخالفت دوم: یہ تھی کہ اِس ''قضیہ مزبورہ'' کے بعد حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت مقرر فرمائی کہ وہ اسامہ کے ہمراہ سفر کرے، بعضِ جماعت نے اختلاف کیا اور ان سے عرض کی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر مبالغہ فرمایا کہ جهزُوا جیش اُسامة لعن الله من تخلف عنه' لشکرِ اُسامہ کی تیاری کرو، اس سے مخالفت کرنے والے پر اللہ کی لعنت، اور اس پر بھی بعض پیچھے رہے اور متابعت نہ کی۔

پس ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیت لکھنے کا حکم فرمایا مذکورہ آیتِ کریمہ کے تقاضا پر وحی ہے اور جو حضرتِ عمر نے منع کیا وہ وحی کا منع اور رد ہے، اور وحی کا رد کفر ہے۔ جیسا کہ تم پہلے ہی اعتراف کر چکے ہو۔ اس پر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے ومن لم یحکم بمَا انزل الله فاولٰئک هم الکافرون. جو اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ ٹھیک کافر ہیں۔ اور کافر خلافت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل نہیں۔ نیز لشکرِ اسامہ کا تخلف بھی دلیلِ مذکور کے مطابق کفر ہے۔ باتفاق اِس سے پیچھے رہنے والے خلفائے ثلاثہ بھی ہیں اور حضرات ماوراالنہر نے ''صحیفہ شریفہ'' میں اعتراف کیا کہ فعلِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی ہے۔ اور واقعہ بھی ایسا ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ آپ کا مروان کو مدینہ طیبہ سے نکالنا ضرورت وحی سے ہے اور حضرت عثمان کا اُسے واپس لانا اور اس کو امور تفویض کرنا اور اس کی تعظیم کرنا

دو وجہوں سے کفر ہے، وجہ اول وہی ہے جو علمائے ماوراالنہر نے فرمائی، وجہ دوم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، لا تجد قوماً یومنون باللّٰہ والیوم الاٰخر یوادُون من حاد اللّٰہ و رسُولہ' ولو کانو ابائھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم، اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والوں کو تو ہرگز نہ پائے گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کریں اگرچہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرتِ مجدد کا محاکمہ

اقول و باللّٰہ العصمۃ و التوفیق، ہمیں تسلیم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال وافعال بموجب وحی ہیں اور اس آیت کریمہ (وما ینطق عن الھوی) سے ان کا استشہاد ناتمام ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کے ساتھ مختص ہے، قاضی بیضاوی نے فرمایا اللہ سبحانہ' کے فرمان کا معنی ہے وما ینطق عن الھویٰ یعنی قرآن سے جو کلام صادر ہوتا ہے وہ اپنی خواہش سے نہیں۔ اسی طرح اگر آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع افعال و اقوال بہ موجبِ وحی ہوتے تو ان کے بعض افعال و اقوال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''اعتراض'' وارد نہ ہوتا اور ''عتاب'' نہ آتا۔ جیسا کہ قولِ تعالیٰ ہے، یآ ایھا النبی لم تحرم ما اُحلَّ اللّٰہ لک تبتغیٰ مرضاۃ ازواجک اے نبی! آپ اس کو حرام کیوں کرتے ہیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا، اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہوئے۔ اور قولِ تعالیٰ ہے عفا اللّٰہ عنک لِم اذنت لھُمْ، اللہ نے آپ کو معاف فرمایا آپ نے ان کو کیوں حکم دیا۔ اور قولِ تعالیٰ ہے ما کان لنبیٍ ان یکون لہ' اسریٰ حتّٰی یُثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا، کسی نبی کو نہ چاہیے کہ اُس کے قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین پر خون بہائے، تم دُنیا کا سامان

چاہتے ہو۔ اور قول تعالیٰ ہے وَلا تصل علیٰ احدٍ منھم مات ابدا اور آپ ان میں سے کسی کے مرنے پر نمازِ (جنازہ) نہ پڑھیں۔

ایک روایت میں وارد ہے کہ یہ نہی اس وقت وارد ہوئی جب آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم اُبی منافق کی نمازِ جنازہ ادا کر چکے تھے۔ اور ایک روایت میں ادا سے پہلے اور عزمِ ادا سے بعد ہوئی۔ ہر تقدیر پر نہی، فعلِ محقق سے ہے۔ جوارح کا فعل اور دل کا فعل برابر ہے اور اس کیا امثال قرآن میں بہت ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقوال و افعال، رائے و اجتہاد کے باعث ہوں، قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں فرمایا قولہ عزوجل مَا کان لنبیٍ اس پر دلیل ہے کہ انبیاء کرام اجتہاد بھی کرتے ہیں، اور وہ کبھی (تعلیم امت کے بطور) خطا بھی ہو سکتا ہے لیکن اس پر اُن کا قرار نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام کی ''امور عقلیہ'' اور ''احکامِ اجتہادیہ'' میں ''مجالِ اختلاف'' اور ''مساغِ خلاف'' رکھتے تھے اور بعض اوقات وحی صحابہ کرام کی رائے کے موافق نازل ہوئی۔ چنانچہ اسیرانِ بدر کے بارے میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق وحی آئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمورِ عقلیہ میں کم توجہ فرماتے۔ قاضی بیضاوی نے فرمایا روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یوم بدر سے ستر قیدی پیش کئے گئے۔ ان میں عباس اور عُقیل بن ابو طالب بھی تھے۔ آپ نے ان کے متعلق مشورہ طلب فرمایا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ آپ کی قوم اور اہل ہیں، اِن کو بچائیں شاید اللہ ان کو معاف فرما دے اور ان سے فدیہ لے لیں تاکہ آپ کے صحابہ کو قوت ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ان کی گردنیں ماریں کہ وہ کفر کے امام ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے فدیہ سے بے نیاز کیا ہے۔ مجھے فلاں دے دیں کہ میں اسے قتل کر دوں، حضرت علی اور حمزہ کو ان کے بھائی دے دیں، کہ ان کو

قتل کر دیں۔ اس مشورے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو نرم فرماتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو سخت کرتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابو بکر تیری مثال ابراہیم کی طرح ہے انہوں نے کہا جو میری اتباع کرتا ہے، وہ میرا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے، (اے اللہ) تو غفور رحیم ہے۔ اور اے عمر تیری مثال نوح کی طرح ہے۔ انہوں نے کہا اے رب کسی کافر کو زمین پر سلامت نہ چھوڑ۔ پس آپ نے صحابہ کرام کو اختیار عطا فرمایا تو انہوں نے فدیہ لے لیا۔ اس پر آیت (ما کان لنبیٍ) نازل ہوئی۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو (دیکھا) کہ حضور اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گریہ زن ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے بھی خبر دیجئے، اگر رونا آئے تو رو لوں، نہیں تو ویسی صورت بنا لوں، آپ نے فرمایا میں اپنے صحابہ کے فدیہ لینے پر گریہ زن ہوں کہ ان کا عذاب میرے سامنے پیش ہوا جتنا کہ یہ قریبی درخت ہے۔ اور قاضی بیضاوی نے فرمایا مزید روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لو نزل العذاب لما نجا منه و غیره عمر و سعد بن معاذٍ** اگر عذاب نازل ہوتا تو عمر اور سعد بن معاذ کے سوا کوئی نہ نجات حاصل کرتا۔ اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِثخان کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے، کاغذ منگوانے لشکرِ اسامہ کی تجہیز، اور اسی طرح اخراج مَروان کا حکم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقِ وحی سے نہ فرمایا ہو بلکہ اجتہاد و رائے کے طریقے سے فرمایا ہو۔ اور ہمیں تسلیم نہیں کہ اِس کا خلاف کفر ہے۔ کیونکہ اس قسم کا خلاف صحابہ کرام سے وارد ہوا جیسا کہ اوپر گزرا۔ وہ نزولِ وحی کا زمانہ تھا اس کے باوجود اس خلاف پر کوئی انکار و عتاب نہ نازل ہوا۔ جبکہ حال یہ تھا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی معمولی سی چیز بھی صحابہ

کرام سے صادر ہو جاتی تو حق سبحانہٗ فی الحال اس فعل سے روک دیتا۔ اور اس کی مباشرت پر وعید فرما دیتا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا یاایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی اکرم کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان کے لئے اونچا نہ بولو جس طرح ایک دوسرے سے بولتے ہو، کہ تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ شارح المواقف نے آمدی سے نقل فرمایا کہ مسلمان وصالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ایک ہی عقیدہ پر تھے۔ مگر جو دِل میں نفاق رکھتا اور وفاق ظاہر کرتا (اس کا اور طریقہ تھا) پھر اُن میں اُمورِ اجتہادیہ میں خلاف پیدا ہوا جن سے نہ ایمان واجب ہوا اور نہ کفر، اس سے ان کی غرض صرف ''مراسم دین'' کی اقامت اور ''مناھجِ شرع'' کی دامت تھی۔ ان میں سے ایک خلاف یہ تھا جو مرضِ وصال میں قولِ نبی ائتونی بقرطاس، (میرے پاس کاغذ لاؤ) پر ہوا۔ اور اس کے بعد اس اختلاف کی طرح جو لشکرِ اسامہ کے تخلّف سے متعلق تھا۔ ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان جھزوا جیش اُسامة لَعَنَ اللّٰہ من تخلَّف عنہٗ کو سامنے رکھ کر اتباع کو واجب سمجھا (یاد رہے کہ لعن اللّٰہ من تخلف عنہٗ کے الفاظ اہلِ سنّت کے ہاں نہیں ملتے) اور ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''صحت طبع'' کے انتظار میں تخلف فرمایا۔

اگر کوئی کہے اور مقدمہ ممنوعہ کا اثبات کرے کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی تھا۔ پس صادق آیا کہ ان کے جمیع افعال و اقوال بموجبِ وحی تھے، اس طرح احکامِ اجتہادیہ بھی بموجب وحی تھے، ہم کہتے ہیں کہ یہاں فرق ہے۔ ہر ایک فعل اور ہر ایک قول وحی سے صادر ہوا تو اس جگہ وحی سے اجتہاد کا جواز ثابت ہوا۔ (کہ امت میں وحی تو جاری نہ رہے گی، اجتہاد جاری رہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

ٹھہرے۔) اور احکام اجتہادیہ ان کی تفاصیل کے ساتھ تفصیلی دلائل اور فکری مقدمات سے مستنبط ہوئے۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ مجتہدین کے اقوال وحی سے نہیں اور ان کا اجتہاد وحی سے ثابت ہے تو وہ قول تعالیٰ ہے **فاعتبروا یا اولی الابصار**، ہم مزید کہتے ہیں کہ اس مقدمہ ممنوعہ کو تسلیم کرنا (یہاں) بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے بنیادی مقدمہ قائلہ یہ ہے کہ (اجتہادی امور میں) اُن کا خلاف کفر ہے (یا نہیں) اس کی سند گزر چکی ہے پس غور کرنا چاہیے۔

علمائے ماوراء النہر کی عبارات میں یہ واقع ہونا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال وافعال بموجب وحی ہیں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہاں اُن کی مراد ''امور اجتہادیہ'' کے سوا ہوگی جو آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے۔ یہ برابر ہے کہ وحیِ جلی سے ہوں کہ وحیِ خفی سے ہوں، اور ان کے مدعا کی اس قدر تعمیم ہی کافی ہے۔ جو احادیث، خلفائے ثلاثہ کی تعریفوں میں وارد ہوئیں وہ غیبی اخبار کے قبیلے سے ہیں۔ اور وہ طریقِ وحی سے ہیں جس میں رائے اور اجتہاد کو کوئی دخل نہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا **وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الّا ھو** غیب کی کنجیاں تو اللہ کے پاس ہیں جن کو وہی جانتا ہے، اور فرمایا **عالم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ احدا الّا من ارتضٰی من رسولٍ** وہ عالمِ غیب کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو چاہے۔ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ آیت کریمہ **وما ینطق عن الھوی**، کی مراد قرآن اور وحی خفی کو عام ہے۔ یہ پوشیدہ نہیں۔ اور شک نہیں کہ ان اقوال وافعال کے انکار اور مخالفت سے وحی کا انکار اور مخالفت لازم آتی ہے۔ اور مخالفتِ وحی کفر ہے۔ ان کی تعریفوں میں جو احادیث مبارکہ وارد ہیں وہ اللہ سبحانہٗ کے اعلام سے بکثیر ہیں اور ''کثرتِ طرق'' اور ''تعددِ روایت'' سے حدِ شہرت کو، بلکہ معناً حدِ تواتر کو پہنچتی ہیں۔ لہٰذا ہم ان میں سے چند

ذکر کرتے ہیں۔

شانِ خُلفائے ثلاثہ:

☆ امام ترمذی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تُم غار میں میرے صاحب ہو اور حوض پر میرے صاحب ہو۔

☆ انہی سے ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبریل امین آئے اور میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا دروازہ دکھایا جس میں سے میری اُمت داخل ہو گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ، (میری آرزو ہے) کہ میں آپ کے ساتھ اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر تم پہلے جنت میں داخل ہو گے۔

☆ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا۔ یہاں تک فرمایا کہ میں نے ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک کنیز تھی، میں نے کہا کس کے لئے، کہا گیا کہ عمر بن خطاب کے لئے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس میں داخل ہو جاؤں اور اُسے دیکھوں مگر میں نے (اے عمر) تمہاری غیرت یاد کی۔ حضرت عمر نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

☆ ابنِ ماجہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جو جنت میں میری اُمت کے اعلیٰ درجہ پر ہو گا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم ہم عمر بن خطاب کے سوا کسی کو "وہ شخص" تصور نہ کرتے جہاں کہ وہ وصال فرما گئے۔

☆ بخاری نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ابوبکر و عمر کو آگے نہیں بڑھایا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آگے بڑھایا ہے۔

☆ ابویعلیٰ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور میں نے کہا اے جبریل مجھے عمر بن خطاب کے فضائل بیان کریں، اُنہوں نے کہا اگر میں بیان کروں جتنی دیر نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے تو بھی ان کے فضائل ختم نہ ہوں۔ اور بیشک عمر، ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے۔

☆ ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے اور ابنِ ماجہ نے حضرت علی ابن ابوطالب رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر اور عمر، نبیوں اور رسولوں کے علاوہ جنت میں اولین و آخرین کے تمام ادھیڑ عمروں کے سردار ہیں۔

☆ بخاری و مسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باغاتِ مدینہ میں سے ایک باغ میں تھا۔ پس ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لئے کھول دو اور اسے جنت کی بشارت سناؤ۔ میں نے کھولا تو وہ ابوبکر تھے، پس میں نے انہیں بشارت سنائی۔ جو حضور نے فرمائی تھی، انہوں نے اللہ کی تعریف کی۔ پھر ایک شخص آیا۔ اور دروازہ کھلوایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لئے کھول دو اور اسے جنت کی بشارت سناؤ۔ میں نے اس کے لئے کھولا تو وہ عمر تھے، پس میں نے انہیں خبر سنائی جو حضور نے فرمائی تھی، انہوں نے اللہ کی تعریف کی۔ پھر ایک شخص نے دروازہ

کھلوایا۔حضور نے فرمایا اس کے لئے کھول دو اور اُسے جنت کی بشارت سناؤ اس مصیبت کے ساتھ جو اُسے پہنچے گی۔وہ عثمان تھے، میں نے انہیں خبر سنائی جو حضور نے فرمائی تھی۔انہوں نے اللہ کی تعریف کی اور پھر کہا، اللہ مدد کرنے والا ہے۔

یہ ہے اور مزید یہ کہ اگر تسلیم کیا جائے ''اخراجِ مروان'' بطریقِ وحی تھا تو ہمیں تسلیم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرادِ نفی دائمی ہوئی ہوگی۔یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ (اسکا) اخراج اور جلاوطنی موقت و موجّل تھی۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدِ زنا کے متعلق فرمایا **البکر بالبکر جلد مائةٍ و تغریب عامٍ** (یعنی ایک سال جلاوطنی ہے ہو سکتا مروان کی جلاوطنی بھی اسی طرح معین وقت تک ہو) چونکہ حضرت امیر المومنین عثمان علیہ الرضوان اس کے اخراج کی مدت کو جانتے تھے، اس عقوبت اور جلاوطنی کی مدت ختم ہونے پر اسے مدینہ طیبہ لے آئے (یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے لی تھی) اس میں کوئی قباحت نہیں۔اور آیت لاتجد قوماً مودت کفار سے منع کرتی ہے اور کفرِ مروان ثابت نہیں کہ اس کی مودت ممنوع ہو، پس غور کرو اور انصاف کرو ہٹ دھرمی سے باز آؤ کہ پاگل اونٹنی کی طرح پاگل بن جاؤ۔

شیعہ حضرات نے دوبارہ منع و مناقضہ کی صورت میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدحِ خلفاء ثلاثہ کا وارد ہونا فریقین کا متفق علیہ نہیں۔کیونکہ کتب شیعہ میں اس کا اثر ناپید ہے۔اور جو بات ان کی مذمت پر دلالت کرتی ہے، مذکورہ دو روایتوں کی طرح، فریقین کی کتابوں میں مسطور ہے۔نیز بعض اہلِ سنت برائے مصلحت وضع حدیث کی تجویز کرتے ہیں، پس غیر متفق علیہ حدیث پر اعتماد نہیں۔

ہم دفعِ اشکال میں ''مقدمہ ممنوعہ'' کے اثبات کے طریق پر کہتے ہیں، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم، چونکہ شیعہ کمالِ تعصب وعناد سے سلف پر طعن کرنا اور خلفاء ثلاثہ کو گالیاں دینا بلکہ ان کی تکفیر کرنا اپنا اسلام اور عبادت خیال کرتے ہیں، ان کی مدائح و مناقب میں وارد احادیثِ صحاح پر بے سند و دلیل جرح کرتے ہیں اور ان میں تحریفات وتصرفات سے کام لیتے ہیں، حتی کہ کلام اللہ کہ جس پر اسلام کا مدار ہے اور صدرِ اول سے بتواتر منقول ہے اور جس میں کوئی شبہ نہیں پایا جاتا اور وہ کوئی زیادت ونقصان قبول نہیں کرتا، اس میں بھی ''آیاتِ محرفہ'' اور ''کلمات مزخرفہ'' داخل کر دیتے ہیں، اور قرآنی آیات میں تصحیفات تراشتے ہیں، چنانچہ آیتِ کریمہ ان علینا جمعہ و قرآنہ، فاذا قرأناہُ فاتبعْ قرأنَہ کو اس طرح تصحیف وتحریف کا نشانہ بناتے ہیں ان علیاً جمعہ و قرائۃ فاذا قراناہ فاتبع قرا ئتہ اور کمالِ ضلالت سے کہتے ہیں کہ بعض آیاتِ قرآنی کو حضرت عثمان نے پوشیدہ رکھا ہے کہ وہ اہلِ بیت طہاری مدائح میں (وارد) تھیں اور ان کو قرآن میں داخل نہ کیا۔

پہلے گزر چکا ہے کہ ان کا ایک گروہ اپنے ''نفع وصلاح'' کے لئے جھوٹی گواہی کو تجویز کرتا ہے۔ لہٰذا ان مفاسد کے سبب شیعہ موردِ طعن ہو گئے۔ اور ان کا ''اعتماد و عدالت'' سرے سے برطرف ہو گئی۔ اور ان کی ''کتبِ مدونہ'' ''درجہء اعتبار'' سے ساقط ٹھہریں، اور تورات وانجیل کی صورت ''محرفہ'' ثابت ہوئیں، (جبکہ) کتبِ اہل سنت مثلِ صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد ''اصح الکتب'' ہے اور صحیح مسلم وغیرہما میں خلفاء ثلاثہ کی مدائح وتعظیم کے علاوہ کچھ (منقول) نہیں، جن (مباحث) کو شیعہ اپنے ''فسادِ طبعیت'' اور ''انحرافِ مزاج'' سے مذمت خیال کرتے ہیں (یہ انکا) تصورِ باطل اور خیالِ فاسد ہے۔ (یہ عادت) ''وجدانِ صفراوی کے قبیل سے ہے کہ (آدمی) شکر کو

بھی تلخ کہتا ہے۔ اس کی تحقیق جو شیعہ کہتے ہیں کہ بعض اہل سنت، برائے مصلحت، وضع حدیث کی تجویز کرتے ہیں، پس غیر متفق علیہ حدیث پر اعتماد نہیں، تو یہ تو اس صورت میں ہے کہ اہل سنت نے اُن کے بعض کلام کو رد نہیں کیا اور اس کا انکار نہیں کیا، اور ان کا جھوٹ ظاہر نہیں کیا، واقعہ تو ایسا نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کے کذب وافترا کی تصریح کی ہے، اور اسے اعتبار واعتماد کے درجہ سے ساقط ٹھہرایا ہے۔ پس ان کی طرف کوئی اعتراض نہیں آتا، اور وہ حق جس کی برہان واضح و بین ہے اس کو اس باطل سے نہ ملاؤ جس کا بطلان ظاہر و مبین ہو چکا ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

پھر شیعہ نے جواب میں بطریق منع کہا کہ ہم نہیں مانتے کہ خبر واحد کی مخالفت کفر ہے۔ کہ اخبار آحاد کی مخالفت تو مجتہدین سے بھی واقع ہوئی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جو احادیث خلفا ثلاثہ کی توصیف و تعظیم میں وارد ہوئیں اگرچہ ازروئے الفاظ ''آحاد'' ہیں مگر ''کثرتِ رواۃ'' اور ''تعدد طرق'' سے معنا حد تواتر تک پہنچتی ہیں۔ جیسا کہ ثابت ہوا۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان کے مدلول کا انکار کفر ہے۔ اور مجتہدین سے ایسی اخبار آحاد کی مخالفت (ہرگز) واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ امام ابوحنیفہ جو اہل سنت کے رئیس ہیں تو مطلق خبرِ واحد بلکہ اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم جانتے اور ان کی مخالفت تجویز نہ فرماتے۔

ایضاً شیعہ نے خلفاء ثلاثہ کی مدح وارد کو تسلیم کر کے جواب میں کہا اور مقدمہ صحیحہ کو منع کیا کہ خلفائے ثلاثہ کی نسبت حضرت پیغمبر ﷺ کی تعظیم و توقیر، ان کی مخالفت کے صدور سے قبل تھی۔ وہ ان کے حسنِ خاتمہ اور سلامتِ آخرت پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ صدورِ عصیاں سے پہلے سزا دینا درست نہیں اگرچہ اس کا صدور معلوم ہو جیسا کہ

حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ ابنِ ملجم کے عمل سے خبردار تھے مگر اُسے سزا نہ دی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ان کی مدائح میں وارد احادیث (ان کے) حسنِ خاتمہ اور سلامتی عاقبت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور امنِ خاتمہ کی خبر دیتی ہیں۔ چنانچہ احادیثِ مذکورہ سے بھی یہ دلالت سمجھ آسکتی ہے۔ اِس کی امثال ''صحاح وحسان'' کی حدیثوں میں بہت زیادہ ہیں۔ اور یہ کہنا کہ صدور عصیاں سے پہلے عقوبت درست نہیں اگرچہ اس کا صدور معلوم ہو، اسی طرح کسی معلوم الذم (جس کا ذم معلوم ہو) اور مستوجبِ عقوبت کی تعریف بھی جائز نہیں پس ان کی تعریف کا ورود حالاً و مالاً اُن کے حُسن (خاتمہ) پر دلیل ہے، لہٰذا حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ نے جو ہر چند ابنِ ملجم کو سزا نہ دی، تو اس کی مدح و توصیف بھی تو کسی طرح نہیں کی۔ اِن مباحث کی تحقیق آیت کریمہ لقد رضی اللہ عن المومنین کے تحت مذکور ہوگی۔

--------ooo--------

سَبِّ صحابہ کرام کفر ہے:

علمائے ماوراء النہر رحمہم اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ خلفاء ثلاثہ آیت کریمہ لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ (بے شک اللہ ایمان والوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ کی بیعت کی) کے مطابق اللہ مالک ومنان کی رضا سے مشرف ہوئے ہیں پس ان کو گالی دینا کفر ہے۔

روافض کا جواب:

شیعہ حضرات نے بطریقِ مناقضہ جواب دیا اور اُن سے ''امرِ رضوان'' کے استلزام کو منع کیا کہ عند التحقیق آیت کا مدلول اس فعلِ خاص (بیعت) کے ساتھ حضرت

اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں کہ بعض ''افعالِ حسنہ مرضیہ'' بھی ان سے واقع ہوئے۔ کلام اس میں ہے کہ بعض افعال قبیحہ اُن سے وجود میں آئے جو اس عہد و بیعت کے مخالف ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے امرِ خلافت میں نصِ پیغمبر کی مخالفت کی، اور خلافت غصب کی، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آزردہ کیا، چنانچہ صحیح بخاری میں مذکور ہے اور مشکوۃ میں اُن کے مناقب میں منقول ہے مَنْ اذاھا فقد اذانی و من اذانی فقد اذیٰ اللّٰہ، جس نے اُن کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اُس نے اللہ کو ناراض کیا۔ کلامِ صادق میں بھی یہ مضمون ناطق ہے، ان الذین یؤذون اللّٰہ و رسولہٗ لعنھم اللّٰہ فی الدنیا و الآخرۃ جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو ستایا ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت۔ حاصل ہوا کہ ان افعالِ ذمیمہ، (مثلاً) حضرتِ پیغمبر کی وصیت کی تردید اور لشکرِ اسامیہ سے تخلّف کی وجہ سے یہ لوگ موردِ طعن و مذمت ہوئے لہٰذا ''سلامتِ عاقبت'' عملوں کے حسنِ خاتمہ سے اور حضرت رسولِ متعال صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد و بیعت، وفا کرنے سے (مشروط) ہے۔

حضرت مجدد کا محاکمہ:

مقدمہ ممنوعہ کے اثبات اور استلزام کے بیان میں ہم کہتے ہیں کہ آیتِ کریمہ کا مدلول، بہ تحقیق دقیق اُن مومنوں کے ساتھ رضائے حق ہے جنھوں نے اس وقت آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ یہ تو بالکل ثابت ہے۔ تدقیق کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ان کی بیعت اللہ سبحانہٗ کی خوشنودی کی علّت ہے جو ان پر ہوئی۔ ہاں بیعت کا پسندیدہ ہونا اس سے ہی ذہن نشین ہوتا ہے وہ رضا کی علّت ہے۔ وہ لوگ اس کے سبب پسندیدہ ہو چکے ہیں تو بیعت بطریق اولیٰ پسندیدہ ہوگی، لیکن بیعت کا اصالۃً بغیر اس کے پسندیدہ موصوفین کے پسندیدہ ہونا جس طرح کہ شیعہ حضرات کا زعم ہے۔ اصلا

خلافِ فہم ہے جیسا کہ جس کو اسالیب کلام کی ادنیٰ سی درایت بھی ہے، اُس پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔ جب حق کا اُن پر التباس ہو گیا تو انہوں نے اپنا خطا کا نام تدقیق رکھ لیا۔

پس ہم کہتے ہیں، جس جماعت کے ساتھ حق سبحانہٗ وتعالیٰ راضی ہو چکا ہو اور وہ ان کے سرائر و بواطن کو جانتا ہو اور ان پر سکینہ وطمانیت نازل فرما چکا ہو جس پر اس کے قول نے دلالت کی فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم اس نے ان کے دلوں کو جانا اور ان پر سکینہ نازل فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں جنت کے ساتھ مبشر بنایا ہو تو وہ ضرور سو خاتمہ کے خوف اور عہد و بیعت کے نقض سے معون و مامون ہو گی۔

جو ہم نے نقل کیا اس پر اگر آیت سے مراد رضائے حق تعالیٰ ہو اور وہ فعلِ خاص بیعت ہے جیسا کہ وہ گمان بھی کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہر گاہ کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کی بیعت سے راضی تھا اور اس فعل کو مستحسن بنایا تو جو جماعت اس سے موصوف ہے وہ پسندیدہ اور ''محمود العاقبت'' ہو گی کہ اللہ تعالیٰ افعالِ کفار سے۔ اور اسی طرح مذموم العاقبت جماعت کے اعمال سے راضی نہیں ہوتا۔ اور ان کے افعال کو مستحسن نہیں بناتا اگرچہ وہ فی نفسہا حسنہ و صالحہ ہی ہوں، وہ کافروں کے اعمالِ صالحہ کے باب میں فرماتا ہے۔ والذین کفروا اعمالھم کسرابٍ بقیعۃٍ یحسبہ الظمان ماءً حتّٰی اذا جاءہٗ لم یجدہُ شیئاً کافروں کے اعمال سراب کی طرح ہیں جیسے صحرا میں پیاسا پانی تصور کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے قریب آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینہٖ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے، پس مر جائے اور کافر ہو، وہی ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں تباہ ہو گئے۔ پس وہ

فعل جو آخرت میں کار آمد نہ ہو اور ناچیز ہو، اس فعل کے ساتھ رضائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہرگز کوئی معنی نہیں۔ اس لئے کہ رضا، مرتبہ قبول کی نہایت ہے اور خدا تعالیٰ کے رد و قبول کا اعتبار انجام کار کے ساتھ ہے، **العبرۃ للخواتیم**۔ عبرت تو خاتموں سے ہے۔

اور یہ کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کے لئے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نص کا ورود ثابت نہیں، بلکہ اس کے ''امتناع ورود'' پر دلیل قائم ہو چکی ہے۔ کیونکہ اگر دلیلِ ورود ہوتی تو بہ تواتر منقول ہوتی۔ اس لئے کہ اس کے نقل پر بہت سے دواعی ہوتے **کقتل الخطیب علی المنبر** منبر پر خطیب کے قتل کی طرح (کہ وہ مشہور ہوتا ہے) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہٗ اس دلیل کے ساتھ احتجاج کرتے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ کو خلافت سے روکتے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ نے انصار کو اس خبر کے ساتھ امامت سے روکا کہ **الائمۃ من قریش**، امام قریش سے ہیں، اور انصار نے اس کو قبول کیا اور امامت کو چھوڑ دیا تھا۔ شارح تجرید نے فرمایا

''جو (دین سے) ادنیٰ سا تعلق بھی رکھتا ہے وہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جنھوں نے نصرت رسول، شریعت کی اقامت، حکم رسول کے انقیاد اور ان کی طریقت کی اتباع میں اپنی جانیں نثار کیں، اپنے ذخیرے قربان کئے اور اپنے رشتہ داروں قریبیوں کو قتل کیا، وہ ان کی تدفین سے پہلے ہی (ان کے) مخالف ہو گئے۔ پھر ان قطعی و ظاہری اور (شیعہ کی) مراد پر دلالت کرنے والی نصوص کے وجود کے ہوتے ہوئے (یہ کیسے ممکن ہے)۔ اس مقام پر بہت سی روایات و اشارات ہیں جن کو ان نصوص کی امثال کے نہ ہونے پر جمع کرنا قطعی فائدہ مند ہے۔ اور ان کی محدثین کرام نے حضرت امیر رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ اپنی شدت محبت کے باوجود تثبیت و توثیق نہیں فرمائی جبکہ انہوں نے ان کے امر دین و دنیا کے مناقب و کمالات میں

بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ (وہ نصوص ان کے) خطبوں، رسائلوں، مخاصموں اور مفاخروں اور تاخرِ بیعت کے وقت بھی بیان نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 'شوریٰ کو چھ اشخاص کے درمیان مقرر فرمایا اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو شوریٰ میں داخل کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ سے کہا اپنا ہاتھ دو، میں تمہاری بیعت کروں یہاں تک کہ لوگ پکار اُٹھیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں جنھوں نے ان کے عم زاد کی بیعت کر لی۔ پس تم سے دو آدمی بھی اختلاف نہ کریں گے۔ تو انہوں نے کہا ہم ابوبکر سے تنازعہ نہیں کرتے۔ اس امر میں رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہوتا۔ اب امام کوئی ہو، ہم اس سے تنازعہ نہیں کریں گے۔ خود حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے پر لوگوں سے مجادلہ کیا۔ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص پیش نہ فرمائی۔

آزارِ فاطمہ کی توجیہ:

آزارِ فاطمہ علیہا الرضوان کی ممانعت جو حدیث میں وارد ہوئی ظاہر ہے کہ وہ بہ ہر وجہ مطلق، مراد نہیں ہوسکتی، کیونکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بعض اوقات، حضرت امیر سے بھی آزردہ ہوئیں جیسا کہ اخبار و آثار میں آیا ہے۔ نیز حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرہ کو فرمایا **لا تو ذینی فی عائشہ فان الوحی لا یاتینی فی ثوب امرأۃ الا عائشۃ** تم مجھے عائشہ کے متعلق اذیت نہ دو مجھے عائشہ کے سوا کسی زوجہ کے پردے میں وحی نہیں آتی۔ یہاں حضور نے آزارِ عائشہ کو اپنا آزار قرار دیا اور اس میں شک نہیں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرتِ امیر سے آزردہ ہوئیں، پس ہم کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ جس ایذاء کی ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ ایذائے مخصوص ہو جو ہوائے نفسانی اور ارادہ شیطانی سے پہنچائی جائے۔ جو حدیث ونص

ہونے کے مطابق ہونے والے اظہارِ کلمہ حق کے ثمر سے آزار حاصل ہو وہ ممنوع اور منہی عنہ نہیں، یہ معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے آزار کا باعث ورثہ فدک کی روکاوٹ تھی۔ اور حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ نے اس رکاوٹ میں اس حدیث نبوی سے تمسک کیا تھا کہ **نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہُ صدقہ** ہم معاشر انبیاء وارث نہیں بناتے، جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ (اس مضمون کی روایت شیعہ حضرات کی کتاب اصولِ کافی میں بھی موجود ہے) وہ ہوائے نفسانی کے تابع نہ تھی لہٰذا وعید میں داخل نہیں۔

اگر کوئی کہے کہ جب حضرتِ صدیق علیہ الرضوان حدیث سے متمسک ہوئے اور وہ حکم بیان کیا جو آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا تو پھر حضرت زہرا علیہا الرضوان کیوں ناراض اور آزردہ ہوئیں کہ وہ آزار فی الحقیقت آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کا آزار تھا اور وہی منہی عنہ ہے۔

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ غضب و آزار اختیاری و قصدی نہ تھا بلکہ طبع بشری اور جبلّتِ عنصری کے سبب تھا۔ اور یہ قدرت و اختیار کے تحت داخل نہیں اور اس کے ساتھ نہی و منع کا کوئی تعلق نہیں پس غور کرنا چاہیے۔ (یہ یاد رہے کہ یہاں حضرت زہرا کا آزردہ ہونا راویِ حدیث کا خیال ہے جو محلِ نظر ہے۔ حضرتِ زہرا نے حدیث مبارک سُنی اور تقاضائے فدک چھوڑ دیا۔ خاندانِ اہل بیعت اور خاندانِ صدیق اکبر کے درمیان خوشگوار تعلقات بدستور قائم تھے، یہاں تک کہ حضرتِ زہرا کو آخری غسل حضرتِ صدیق کی زوجہ حضرت اسماء نے دیا، حضرتِ صدیق نے اُن کی نمازِ جنازہ کی امامت کرائی جیسا کہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے مترجم۔)

صدیق اکبر کی صحابیت

علماء ماوراء النہر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کو حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب کہا اور صاحبِ پیغمبر قابلِ ذم ولعن نہیں ہوتا۔

روافض کا جواب:

شیعہ حضرات نے ''بطریق منع'' کہا کہ آیت قال لصاحبہ وھو یحاورہ' اکفرت (اس نے اپنے صاحب سے کہا (جہاں تک کہ) وہ اس سے لڑتا تھا (کہ) تو نے کفر کیا۔) (اس پر) دال ہے کہ مسلم و کافر کے درمیان مصاحبت واقع (ہو سکتی) ہے۔ اور آیت یا صاحبی السجن ارباب متفرقون خیر' ام اللّٰہ الواحد القھار (اے میرے اسیر ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار) اس مقصود کی موید ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر ہیں اور انہوں نے دو بت پرستوں کو صاحب کہا، ظاہر ہوا کہ مجرد صاحبِ پیغمبر ہونا کوئی دلیلِ خوبی نہیں ۔

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ داشت
دیدنِ روئے نبی سُود نہ داشت

حضرتِ مجدد کا محاکمہ:

ہم مقدمہ ممنوعہ کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ البتہ مصاحبت، بہ شرطِ مناسبت موثر ہے اور اس کی تاثیر کا انکار بداہت سے مصادِم اور عرف و عادت سے معارض ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ۔

ہر کہ از آثارِ صحبت منکر است

جہلِ او برما مقرر می شود

اور جب مسلم و کافر کے درمیان مناسبت متحقق نہ تھی تو ایک دوسرے کی تاثیرِ صحبت کو قبول کرنے سے محروم رہ گئے۔ اس کے ساتھ منقول ہے کہ وہ دو بت پرست حضرت یوسف علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہوئے اور مشرکوں کی عادت سے بیزار ہو گئے۔ پس حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی سعادت سے مناسبتِ تمام رکھنے کے باوجود کیوں (سعادت مند) نہ ہوئے۔ اور اُن کے کمالات و معارف سے کیوں محروم رہے۔ حال تو یہ ہے کہ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ماصَبَّ اللّٰہ شیأً فی صدری اِلّا و قد صَببْتُہ' فی صدر ابی بکر**، اللہ نے جو چیز میرے سینے میں رکھی میں نے اس کو ابو بکر کے سینے میں رکھ دیا۔ اور ہر چند مناسبت بیشتر ہو، فوائدِ صحبت افزوں تر (ہوتے ہیں) لہٰذا حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ جمیع اصحاب سے افضل ہوئے اور اُن میں سے کوئی بھی اُن کے مرتبہ کو نہ پہنچا اس لئے کہ ان کی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناسبت سب سے زیادہ تھی۔ حضور نے فرمایا **مافضل ابی بکر بکثرۃِ الصلاۃ و لا بکثرۃ الصیام ولکن بشیٍ وُقِرَ فی قلبہ** یعنی ابو بکر نماز و روزہ کی کثرت کی وجہ سے افضل نہیں بلکہ ایک اور چیز کی وجہ سے (افضل) ہیں جو ان کے دِل میں ڈالی گئی ہے۔ (یہ حدیث شیعہ کتاب مجالس المومنین میں بھی ہے) علماء کرام فرماتے ہیں کہ وہ چیز محبتِ پیغمبر ہے اور اس میں فنا ہے۔ پس انصاف کرنا چاہیے کہ ایسا مصاحبِ پیغمبر کیوں قابلِ ذم و لعن ہوگا۔ **کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذباً**، ان کے مونہوں سے بہت بڑی بات خارج ہوتی ہے، وہ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں کہتے۔

حضرتِ امیر کی بیعت

علماء ماوراء النہر نے فرمایا کہ حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ نے کمالِ شجاعت کے باوجود خلفاء ثلاثہ کی بیعت کرتے وقت لوگوں کو منع نہ فرمایا اور خود بھی (اُن کی) متابعت و مبایعت فرمائی یہ دلیل حقیقتِ بیعت ہے وگرنہ حضرتِ امیر پر اعتراض لازم ہوگا۔

روافض کا جواب:

شیعہ حضرات نے جواب میں بطریقِ نقض کہا اور الزامِ مشترک سے اس کا رد کیا۔ اور اس کی توجیہ بھی بطریقِ منع ممکن ہوسکتی ہے جیسا کہ مناظرہ میں تھوڑی سی درایت رکھنے والے پر بھی پوشیدہ نہیں۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ قبل اس کے کہ حضرتِ امیر تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے خلفاء ثلاثہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اکثر اصحاب کو جمع کیا کہ حضرتِ ابوبکر کی بیعت کی جائے۔ حضرتِ امیر (اپنے) متبعین کی قلت پر اطلاع پانے اور اہلِ حق کے ''بیمِ ہلاک'' کے (سبب) یا بباعثِ دیگر لڑائی پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہ (وجہ) حقیقتِ بیعت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ حضرتِ امیر با کمالِ شجاعت حضرتِ پیغمبر کی ملازمت میں رہتے تھے۔ اور حضرتِ پیغمبر بھی اُن سے شجاعت و قوت میں کمتر نہیں تھے۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ امیر اور تمام صحابہ کے ساتھ ہوتے ہوئے کفارِ قریش سے جنگ نہ فرمائی اور مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی۔ پھر ایک مدت کے بعد مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حدیبیہ میں صلح کی اور مراجعت فرمائی۔ پس (قریشِ مکہ سے) حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، حضرتِ امیر اور تمام صحابہ کے جنگ نہ کرنے کی جو بھی وجہ ہوسکتی ہے تنہا حضرتِ امیر کے جنگ نہ کرنے کی بھی سکتی ہے۔ اس پر زائد یہ بات کہ کفارِ قریش کا حق ہونا تو اصلاً متصور نہیں اور اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ نقض

تو اوپر بھی جا سکتا ہے کہ فرعون چار سو سال تک دعویٔ خدائی میں مسندِ سلطنت پر رہا اور شداد ونمرود وغیرہما سے ہر کوئی بھی کئی سال اس باطل کا مدعی ہوا اور حضرتِ اللہ تعالیٰ نے کمالِ قدرت سے اُن کو ہلاک نہ کیا۔ ہرگاہ دفعِ خصم میں حق تعالیٰ نے جو تاخیر فرمائی بندۂ تنہا کے مادہ میں (وہ تاخیر) بطریق اولیٰ ہو سکتی ہے۔اور جو علماء کرام نے فرمایا کہ حضرتِ امیر نے ان کی بیعت کی اس کا وقوع ''اکراہ وتقیہ'' کے بغیر ممنوع ہے۔ (یعنی اکراہ وتقیہ کے ساتھ جائز ہے)

حضرتِ مجدد کا محاکمہ:

ہم اشکال کے حل میں کہتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقتِ حال کو زیادہ جانتا ہے۔علمائے ماوراء النہر نے حضرتِ ابوبکر سے حضرتِ امیر کی ''تاخیرِ حرب'' اور اُن کی متابعت کرنے کو خلافتِ ابوبکر کی حقانیت پر دلیل ٹھہرایا ہے۔اور بے شک وہ (دلیل) کفارِ قریش کے ساتھ حضرتِ پیغمبر کی ''تاخیرِ حرب'' سے اور فرعون وشداد ونمرود کے اہلاک میں، اللہ تعالیٰ کی تاخیر سے منتقض نہیں ہو سکتی۔ (اس لئے) کہ دلیل کی دوسری شق اس جگہ سرے محقق نہیں بلکہ اس کی نقیض ثابت ہے۔ کیونکہ حضرتِ پیغمبر اور حضرت اللہ تعالیٰ نے ان کی ''مذمت وتشنیع'' کے علاوہ کچھ نہیں فرمایا، اور ان کو ''بدی و بدعملی'' کے سوا یاد نہ کیا۔ **فاین ھذا ان من ذاک** اس سے بھلا اس کا کیا رشتہ، اور جب شیعہ حضرات کو حضرتِ امیر کی بیعتِ صدیق سے مجالِ انکار نہ رہی کہ یہ خبر حدِ تواتر تک پہنچی تھی اور اس کا انکار بدیہی عقل سے متصادم تھا۔تو (نظریہء) ضرورت (کے تحت) اکراہ وتقیہ کے قائل ہو گئے۔ اُنہوں نے خلافتِ صدیق کے ابطال میں اس سے بہتر ''مجالِ سخن'' نہ پائی اور وہ اس کے بغیر اپنے لئے کوئی خلاصی (کی راہ) پیدا نہ کر سکے۔

خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہٗ کی حقانیت کے بیان میں اور اکراہ وتقیہ کے

احتمال کو دور کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام تدفین سے پہلے ''نصبِ امام'' میں مشغول ہو گئے۔ اور انہوں نے (ظاہری) زمان نبوت گزر جانے کے بعد امام کا تقرر واجب سمجھا۔ بلکہ اہم ترین واجب تصور کیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کو) حدود کی اقامت، دروں کی رکاوٹ، جہاد اور اسلام کی حفاظت کے لئے لشکروں کے بندوبست کا حکم دیا تھا۔ اور جو واجبِ مطلق پورا نہیں ہوتا مگر جس کے ساتھ وہ مقدور ہوا تو وہ واجب ہے۔ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایھا الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حیٌّ لا یموت لابد لِھذا الامْر ممن یقوم بہ فانظرو وھاتوا رَایکم فقالو صدقت، اے لوگو، جو کوئی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا (سن لے) وہ وصال فرما گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا (وہ بھی سن لے) کہ اللہ زندہ ہے، کبھی نہ مرے گا، اس امر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی (بطور حاکم) کھڑا ہو پس دیکھ لو اور اپنی رائے پیش کرو، سب نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر سب سے پہلے حضرتِ عمر نے حضرتِ صدیق کی بیعت کی بعد ازاں مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں سے جمیع صحابہ کرام نے بیعت کی۔ ان کی بیعت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ برسرِ منبر تشریف لائے اور قوم کی جانب ملاحظہ کیا تو حضرتِ زبیر کو نہ پایا، فرمایا کہ ان کو حاضر کیا جائے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو صدیق نے فرمایا کیا آپ مسلمانوں کے اجماع کو توڑنا چاہتے ہیں۔ حضرت زبیر نے کہا لاتثریب یا خلیفۃ رسول اللّٰہ، اے رسول اللہ کے خلیفہ ایسا ہرگز نہیں۔ پس انہوں نے صدیق کی بیعت کی (ایکبار) پھر حضرتِ صدیق نے قوم کو ملاحظہ فرمایا تو حضرتِ امیر کو نہ پایا، فرمایا ان کو طلب کیا جائے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو صدیق نے فرمایا کیا آپ (بھی) مسلمانوں

کے اجماع کو توڑنا پسند کرتے ہیں۔ حضرتِ امیر نے کہا لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللّٰہ فبایعہ'، اے رسول اللہ کے خلیفہ ایسا ہرگز نہیں۔ پس انہوں نے (بھی) ان کی بیعت فرمائی۔ پھر حضرتِ امیر اور حضرتِ زبیر نے اپنی بیعت کی تاخیر کا عذر بیان کیا کہ ہمیں تو مشورہ میں پیچھے رکھنے کا غصہ تھا۔ (اب) ہم نے دیکھا کہ ابوبکر سب لوگوں سے زیادہ (خلافت) کے حقدار ہیں، بے شک وہ صاحبِ غار ہیں، اور ہم ان کے شرف و خیر کو پہچانتے ہیں اور یہ کہ سب لوگوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خلافتِ ابوبکر پر سب لوگ جمع ہوئے۔ اس طرح وہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل تھے، اور لوگوں نے آسمان کے نیچے کسی کو ان سے بہتر نہ دیکھا۔ سو انہوں نے اپنی گردنیں اُن کو پیش کر دیں۔ ایضاً حضرت ابوبکر، حضرتِ علی اور حضرتِ عباس کی خلافت کی حقانیت پر اجماع واقع ہو چکا تھا۔ حضرت علی اور حضرت عباس نے حضرتِ ابوبکر سے تنازعہ نہ کیا بلکہ انہوں نے بیعت کی، پس حضرت ابوبکر کی امامت پر اجماع تمام ہو گیا۔ اگر حضرت ابوبکر برحق نہ ہوتے تو حضرت علی و عباس اُن سے تنازعہ کرتے۔ جیسا کہ حضرت علی نے امیرِ معاویہ سے منازعت کی۔ شوکتِ معاویہ کے باوجود (اپنا) حق طلب کیا تا آں کہ خلقِ کثیر قتل ہو گئی۔ مزید یہ کہ اس وقت حق طلب کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ ابتدائی طور پر تو بہت آسان تھا کہ ان کا زمانہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے (دورِ ظاہری کے) بہت قریب تھا۔ اور اُن کی ہمت اُن کے احکام کو نافذ کرنے کے لئے بہت ہی راغب تھی۔ ایضاً یہ کہ حضرتِ عباس نے حضرتِ امیر سے بیعت کی خواہش کی، حضرتِ امیر نے قبول نہ فرمائی۔ اگر وہ ان کی جانب حق دیکھتے تو ضرور قبول کر لیتے اور حال یہ تھا کہ حضرت زبیر با کمالِ شجاعت ان کے ساتھ اور بنو ہاشم اور جمعِ کثیر بھی اُن کے ساتھ متفق تھا، لہٰذا

خلافتِ ابوبکر حق ہونے کے لئے اِجماع کافی ہے۔ اگرچہ ان کی خلافت پر نص (قطعی) وارد نہیں ہوئی ہے۔ جیسا کہ جمہور علماء کرام نے فرمایا۔ بلکہ نصوصِ غیر متواترہ سے اجماع زیادہ مضبوط ہے۔ اس لئے کہ اجماع کا مدلول قطعی ہوتا ہے اور ان نصوص کا مدلول ظنی ہوتا ہے۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کے حق ہونے پر نصوص بھی وارد ہوئیں۔ جیسا کہ محقق محدثین ومفسرین نے ذکر فرمایا۔ بعض محققین کے ذکر کردہ جمہور علمائے اہل سنت کے قول کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے خلافت منصوص نہیں فرمائی اور کسی کے لئے اس کا حکم دیا ہے۔ جو ہم نے بیان کیا اس سے خلافتِ صدیق کی حقیت ظاہر کردی اور اکراہ وتقیہ کا احتمال باطل کردیا۔

مزید یہ کہ اکراہ وتقیہ کا احتمال تو اس زمانے میں ہوسکتا ہے جس زمانے کے لوگ تابعِ حق نہ ہوں۔ اور خیر القرون قرنی کی سعادت سے مستعد نہ ہوں۔ ابنِ صلاح اور منذری نے فرمایا **الصحابة کلهم عدول** ،صحابہ کرام سب کے سب عدول ہیں۔ اور ابنِ حزم نے کہا **الصحابة کلهم من اهل الجنة** ،صحابہ کرام سب کے سب اہل جنت ہیں کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولٰئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا و کلاً وعد اللّٰه الحسنٰی** یعنی تم میں سے فتحِ مکہ سے پہلے مال خرچنے والے اور جہاد کرنے والے جو اونچے درجے والے ہیں ان لوگوں کے برابر نہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچا اور جہاد کیا، اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا۔ تو اِس ارشاد کے (وہ سب) مخاطب ہیں اور ان سب کے لئے الحسنٰی ثابت ہے، اور وہ ہے جنت، یہ نہ سوچا جائے کہ انفاق اور جہاد کی تقیید سے وہ صحابہ خارج ہو گئے جو ان سے متصف نہیں، کیونکہ یہ قیود بطورِ غالب عائد کی ہیں، ان کا مفہوم اس کے خلاف نہ لیا جائے۔ اس سے

مراد یہ بھی ہوسکتا ہے جو عزم وقوت کے ساتھ (انفاق و جہاد سے) متصف ہوا۔

اور یہ ہے کہ اکراہ وتقیہ حضرتِ امیر کرم اللہ وجہہ کے نقص کو مستلزم ہے، کیونکہ اکراہ میں ترکِ عزیمت ہے۔ اور تقیہ میں کتمانِ حق ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ہرگاہ عام مومن بھی طاقت رکھتے ہوئے ترکِ اولیٰ سے راضی نہیں ہوتا۔ اور امرِ ممنوع کا ارتکاب نہیں کرتا تو خدا کے شیر، اور بنتِ رسول کے شوہر جو شجاعت وصفدریت میں بے نظیر تھے، کے متعلق کیسے سوچا جائے کہ وہ ان ناشائستہ امور کے مرتکب ہوئے تھے۔ شیعہ حضرات، ''کمالِ جہالت'' اور ''فرطِ ضلالت'' سے ان کی قدح کو مدح خیال کرتے ہیں۔ اور ان کے نقصان کو کمال سمجھتے ہیں افمن زین له سوءُ عمله فرآه حسنا کیا جس کے لئے اس کے برے عمل اچھے دکھائے گئے تو وہ اس کو واقعی اچھا دیکھتا ہے۔

شیعہ کا قتل اور اخذِ اموال

علمائے ماوراء النہر نے فرمایا جب شیعہ، حضراتِ شیخین اور ذوالنورین اور بعض ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سب ولعن جو کہ کفر ہے کو تجویز کرتے ہیں تو مالکِ حقیقی کے حکم کے مطابق دینِ حق کی بلندی کے لئے ان کا قتل وقمع بادشاہِ اسلام بلکہ تمام رعایا پر واجب ولازم ہے۔ اُن کے مکانات کی تخریب اور ان کے ''اموال و امتعہ'' کا حاصل کرنا جائز ہے۔

روافض کا جواب

شیعہ حضرات نے جواب میں بطریق منع کہا کہ شارحِ عقائدِ نسفی نے سبِ شیخین کے کفر ہونے پر اشکال (ظاہر) کیا ہے اور صاحب جامع اصول نے شیعہ کو اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے اور صاحب مواقف نے بھی یہی کہا ہے۔ امامِ غزالی کے

نزدیک سبِ شیخین کفر نہیں اور شیخ اشعری، شیعہ بلکہ سب اہل قبلہ کو کافر نہیں جانتے۔

پس ان حضرات نے تکفیرِ شیعہ میں جو فرمایا "سبیلِ مومناں" کے موافق اور قرآن وحدیث کے مطابق نہیں ہے۔

حضرتِ مجدد کا محاکمہ:

مقدمہ ممنوعہ کے اثبات کے لئے ہم کہتے ہیں کہ شیخین کو گالی دینا کفر ہے اور اس پر احادیثِ صحیحہ دال ہیں۔ جیسا کہ

☆ المحاملی وطبرانی اور حاکم نے عمویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہ ساعدہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اصحاب اختیار کئے تو ان میں سے وزیر بنائے اور مددگار بنائے اور رشتہ دار بنائے۔ جس نے اُن کو گالی دی تو اس پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت۔ اللہ اس کے کسی صرف وعدل کو قبول نہ کرے گا۔

☆ دارقطنی نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ایک قوم آئے گی جسے رافضی کہا جائے گا پس اگر تم اُسے پاؤ تو قتل کردو بے شک وہ مشرک ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ اُن کی علامت کیا ہے۔ فرمایا وہ (تمہاری شان) میں افراط کریں گے جو تم میں نہیں۔ اور سلف پر اعتراض کریں گے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ ابوبکر وعمر کو گالیاں دیں گے۔ جس نے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت۔

اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں مگر یہ رسالہ ان کے ذکر کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اور یہ کہ گالی ان کے بغض کا موجب ہے۔ اور اُن کا بغض کفر ہے اس خبر کے

ساتھ (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے اُن کو تنگ کیا اس نے مجھے تنگ کیا اور جس نے مجھے تنگ کیا اُس نے اللہ کو تنگ کیا۔ اور اسی طرح ابن عساکر نے روایت کیا کہ رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر و عمر کی محبت ایمان ہے اور اُن کا بغض کفر ہے۔ عبداللہ بن احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔

میں اپنی اُمت کے لئے ابوبکر و عمر کی محبت (جو اس میں ہے) میں اسی طرح پُر امید ہوں جیسے اُس کے قولِ لا الہ الا اللّٰہ میں پُر اُمید ہوں اور ان کے بغض کو ان کی محبت پر قیاس کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے پر نقیض ہیں۔ نیز تکفیرِ مومن کفر ہے جیسے حدیثِ صحیح میں وارد ہے، جس نے کسی آدمی کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہا اور وہ نہیں ہے تو (وہ حکم) اس پر لوٹ آیا۔ ہم یقین سے جانتے ہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما (عظیم) مومن ہیں، خدا کے دشمن نہیں اور جنت سے مبشر ہیں پس ان کی تکفیر اس حدیث کے مطابق قائلین تکفیر کی طرف راجح ہوگی تو (اس لئے) شیعہ کی تکفیر کا حکم ہے۔ یہ حدیث اگرچہ خبرِ واحد ہے لیکن اس سے حکمِ تکفیر معلوم کیا جائے گا، اگرچہ اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔

اپنے زمانے کے امام، شیوخِ اسلام میں اجل حضرت ابوزرعہ الرازی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو دیکھے کہ کوئی شخص کسی ایک صحابیِ رُسول کی تنقیص کر رہا ہے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے وہ اس لیے کہ قرآن حق ہے، رُسول حق ہے اور جو ان کے ساتھ آیا وہ حق ہے۔ یہ تمام (باتیں) ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا کسی نے نہیں پہنچائیں۔ پس جس نے ان پر جرح کی اس نے کتاب و سنت کے ابطال کا ارادہ کیا، پس اس شخص پر جرح کرنی چاہیے اور اُس پر زندقہ، ضلالت، کِذب اور عناد کا حکم لگایا

جائے کہ یہی سب سے قوی اور سب سے بہتر ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ التستری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ان کا علم وزھد اور معرفت و جلالت تمہیں (ان کی گستاخی سے) منع کرتی ہے، جس نے صحابہ کرام کا احترام نہ کیا گویا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہ لایا۔

مقام امیر معاویہ:

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ' جن کا علم وجلالت تمہیں کافی ہے سے پوچھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز، اُنھوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جو غبار امیرِ معاویہ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہوا عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔ (امیر معاویہ کا تو ذکر ہی کیا) اس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وزیارت کی فضیلت کی طرف اِشارہ فرمایا کہ اس سے کوئی چیز نہیں بڑھ سکتی۔ یہ مقام اُن کا ہے جو لوگ مجرد زیارتِ رُسول سے معزز ہوئے تو اُن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جنھوں نے رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور (کافروں سے) جہاد کیا۔ اور اپنے اموال وذخائر خرچ کیے، اپنی جان نثار کی یا بعد والے کے لئے شریعت کی کوئی چیز پہنچائی۔ تو یہ ہے (وہ شان) جس کے فضل کا ادراک اصلاً ممکن نہیں۔

اور شک نہیں کہ شیخین اکابرِ صحابہ سے ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہیں۔ پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص کفر وزندقہ اور گمراہی کا موجب ہوگی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

حضرتِ امام محمد علیہ الرحمتہ نے محیط میں (کہا) کہ رافضہ کے پیچھے نماز جائز نہیں اس لیے کہ اِنہوں نے خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہ' کا انکار کیا۔ ان کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور خلاصہ میں ہے جس نے خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہ

کا انکار کیا وہ کافر ہے اور مرغینانی میں ہے کہ صاحب ہوا و بدعت کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ رافضہ کے پیچھے جائز نہیں۔ پھر فرمایا جس کا یہ حاصل ہے کہ ہر اُس شخص کے پیچھے نماز ناجائز ہے جو ہوائے (نفسانی سے) کفر کرتا ہے۔ ورنہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ صحیح قول میں خلافتِ عمر کے منکر بھی یہی حکم ہے۔ ہر گاہ ان کی خلافت کا انکار کفر ہوگا۔ تو اس کا کیا حال ہے جس نے ان کو گالی دی یا لعنت کی۔ ظاہر ہوا کہ تکفیرِ شیعہ احادیث صحاح کے مطابق اور طریقِ سلف کے موافق ہے، اور جو بعض اہل سنت سے ''عدم تکفیر شیعہ'' نقل کرتے ہیں اُس کی صحت و دلالت کی تقدیر ان کی عدمِ تکفیر میں کسی توجیہ و تاویل پر محمول ہے تا کہ وہ احادیث اور جمہور علماء کرام کے مذہب کے مطابق ہو جائے۔

شانِ صدیقہ پر اعتراض:

اور یہ کہ شیعہ حضرات نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سب و لعن سے انکار کیا مگر وہ ان کے بارے میں (حکمِ قرآن کی) مخالفت کے باعث طعن و تشنیع ثابت کرتے ہیں۔ اور کہا کہ لوگ اُن کے بارے میں جو ''خبث و فحش'' شیعوں سے منسوب کرتے ہیں حاشا ثم حاشا (یعنی یہ سب درست نہیں) مگر حضرتِ عائشہ نے قرن فی بیوتکن (اپنے گھروں میں رہیں) کے اَمر (قرآنی) کی بصرہ میں آ کر مخالفت کی۔ اور حضرتِ امیر سے جنگ کا اقدام کیا، اور حربک و حربی، (تم سے لڑائی مجھ سے لڑائی) کے حکمِ حدیث کے مطابق حضرتِ امیر سے جنگ، حضرت پیغمبر سے جنگ ہے، اور حضرت پیغمبر سے لڑنے والا یقیناً مقبول نہیں، اس بنا پر وہ موردِ طعن ہوئیں۔ ہم کہتے ہیں کہ پوشیدہ نہ رہے، ملازمتِ بیوت کا حکم اور اُن سے خروج کی ممانعت کہ مطلق جمیع حالوں اور زمانوں کے شامل ہو، (یہاں) مُراد نہیں۔ اور بعض ازواج آں سرور کا ان کے ساتھ بعض سفروں میں (جانا) اس پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا گھروں میں رہنے کا حکم ایک وقت

وحال کے ساتھ دوسرے وقت وحال کے بغیر، مخصوص تھا۔ اور عام مخصوص البعض کے رنگ میں تھا۔ اور عام مخصوص البعض مدلول کی رو سے ظنی ہوتا ہے۔ مجتہد کو جائز ہے کہ دوسرے افراد کو بھی علتِ مشترکہ کے ساتھ اس سے خارج کرلے، شک نہیں کہ حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا عالمہ مجتہدہ تھیں، ترمذی نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم اصحابِ رسول کو کوئی حدیث مشکل میں ڈالتی تو ہم عائشہ صدیقہ سے پوچھتے تو ہم (اس کا) علم اُن کے پاس ضرور دیکھتے۔ پس ہوسکتا ہے کہ حضرتِ عائشہ نے اپنے خروج کو بعض اوقات یا بعض احوال میں منافع ومصالح کے لئے اس (حکم) سے مخصوص کرلیا ہو۔ اس میں کوئی عیب اور طعن نہیں۔ اس پر ہم نقل کرتے ہیں کہ یہ فرمانِ باری کے سیاق سے ظاہر ہے۔ فرمایا لا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى پہلی جہالیت کی زینت کی طرح زینت نہ کریں، اس سے مراد ستر وحجاب کے بغیر نکلنے کی ممانعت ہے۔ ستر وحجاب کے ساتھ نکلنا اس ممانعت سے خارج ہے۔ اور حضرتِ صدیقہ کا خروج جنگ کے لئے نہیں تھا، اصلاح (احوال) کے لئے تھا۔ جیسا کہ بعض محققین نے فرمایا۔ اور اگر جنگ کے لئے بھی ہوتا جیسا کہ مشہور ہے تو اس میں بھی اعتراض نہیں کیونکہ وہ اجتہاد سے تھا نہ کہ ہوائے (نفسانی) سے۔ شارحِ مواقف نے آمدی سے نقل کیا ہے کہ جمل وصفین کے واقعات اِجتہاد کی رُو سے تھے۔ اور اگر مجتہد خطا بھی کرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں فرمایا، اللہ کا فرمان ہے لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم اگر اللہ کی طرف سے پہلے نہ لکھا ہوتا، تو تمہیں عذاب ملتا، یعنی اگر لوح میں پہلے سے یہ حکم نہ ہوتا اور وہ حکم یہ ہے کہ خطا کرنے والے مجتہد کو عذاب نہ ہوگا یا ہم کہتے ہیں کہ مجتہد کی خطا بھی خدا تعالیٰ کے ہاں داخلِ ہدایت ہے۔

حضرت رزین نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ فرمایا میں نے اپنے اور اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ نے وحی فرمائی اے محبوب! تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں، جن کے بعض، بعض سے قوی ہیں، اور سب کے لئے نُور ہے۔ پس جس نے ان میں سے کوئی چیز اخذ کی وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے، پھر فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، تم کسی کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت حاصل کرو گے۔

حدیث ''حربک حربی'' ہوسکتا ہے حضرتِ عائشہ صدیقہ کے نزدیک ثبوت کو نہ پہنچی ہو۔ یا مخصوص جنگ سے مخصوص ہوگی کہ ہوسکتا ہے کہ اضافت ''برائے عہد'' ہو۔ (یعنی کوئی مخصوص جنگ جو حضرت علی سے کرے وہ جنگ مجھ سے کرے گا)

اور یہ کہ حضراتِ شیعہ نے اپنی باطل کتابوں کی ترویج اور اہل سنت کی کتابوں کی تزئیف کے لئے کہا ہے کہ کتب شیعہ میں (یہ واقعہ) یوں ہے، ابنِ مکتوم نابینا (صحابی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ ان کے اہلِ حرم میں سے کسی (زوجہ) کا گزر ہوا حضرتِ پیغمبر نے بایں معنی اعتراض فرمایا، اُس نے عرض کی یا رسول اللہ یہ شخص نابینا ہے۔ حضرتِ پیغمبر نے فرمایا تو، تو نابینا نہیں۔ اور علماء اہل سنت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرتِ پیغمبر نے حضرتِ عائشہ کو اپنے شانہ اقدس پر اُٹھایا کہ میں ایک جماعت کا تماشا دیکھوں جو گلی میں ساز بجا رہی تھی۔ کچھ مدت بعد فرمایا اے حمیرا کیا تم سیر ہوگئیں۔ پس اس عمل کو کسی کمترین آدمی بھی نسبت نہیں دے سکتے۔ (یعنی دونوں میں تضاد ہے اور شیعہ حضرات یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں جنابِ رسالت کی توہین والے واقعات ہیں لہٰذا انہیں نہ دیکھا جائے)

پوشیدہ نہ رہے کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ آیتِ حجاب کے نزول سے پہلے محقق ہوا ہو اور ابنِ مکتوم سے ممانعت (والا واقعہ) نزول کے بعد پیش آیا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کھیل، مشروع ہو، ممنوع نہ ہو، چنانکہ اخبارِ صحاح میں وارد ہے اور عنقریب مذکور ہوا چاہتا ہے کہ مسجدِ حضرتِ پیغمبر میں حبشی لوگ، نیزہ بازی کر رہے تھے وہ تیراندازی کی طرح ہے۔ درحق وہ دونوں جہاد کے ہتھیار ہیں تیراندازی مشروع ہے تو اس کی مثل بھی مشروع ہے۔ نیز اس کھیل کا مسجد میں وقوع اس کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ اگر کہا جائے کہ (یہ واقعہ) آیتِ حجاب کے نزول کے بعد ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ حضرتِ صدیقہ اُس وقت صغیرہ تھیں، (اس حکم کی) مکلفہ نہیں تھیں جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت سے دکھائی دیتا ہے۔ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں اور حبشی (لوگ) مسجد میں ہتھیاروں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ حضور نے مجھے اپنی چادر میں ڈھانپ لیا کہ میں حضور کے شانوں اور کانوں کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھ لوں۔ پھر آپ میری رضا کے لئے کھڑے رہتے حتیٰ کہ میں واپس ہوتی، تو چھوٹی عمر کی اس لڑکی کا اندازہ لگاؤ جسے کھیل (دیکھنے کا) شوق تھا۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اُس دوران صغیرہ غیر مکلفہ تھیں۔ اور کھیل مشروع تھا، ممنوع نہیں تھا۔ جب اعداد میں جہاد کے لئے تیز اندازی کی مانند ہتھیاروں کے ساتھ کھیل، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ مسجد میں ہو رہا تھا پس ظاہر ہوا کہ ان کا بیان (درست نہیں)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ مسجد میں بمنزلت تیراندازی، یعنی ہتھیاروں سے جہاد کے لئے کھیلنا نے ظاہر کیا کہ ان کا قول ''حضرتِ عائشہ کو اُٹھایا'' اور اُن کا قول یضربون المعازف، (ساز بجا رہے تھے)'' ان کی تحریفات میں سے ہے۔ اللہ اُن کو برباد

کرے۔

مشاجراتِ صحابہ:

جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام کے درمیان آنا اور اُن کے کوئی فیصلہ دینا ''کمال بے ادبی'' اور ''فرطِ بے سعادتی'' ہے۔ اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو منازعات و اختلافات ان کے درمیان واقع ہوئے ان کو علم حق سبحانہ' پر رہنے دیا جائے۔ اور ان تمام کو نیکی کے سوا یاد نہ کیا جائے۔ ان کی محبت کو پیغمبرِ اسلام کی محبت سمجھا جائے مَن احبھم فبحبی احبّھم، جس نے ان سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی۔ حدیث صحیح ہے۔ امام شافعی نے فرمایا یا عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، ہم اپنی زبان کو اُن سے پاک رکھتے ہیں، مگر شیعہ شنیعہ' صحابہ عظام کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور اُن کے سب و لعن کی جرأت دکھاتے ہیں، علمائے اسلام کو واجب و لازم ہے اُن کا رد کریں اور ان کے مفاسد کو ظاہر کریں، اس باب میں اس حقیر سے جو بعض سخن تحریر میں آئے وہ اسی قبیل سے ہیں جیسا کہ رسالہ کے آغاز میں ذکر ہوا۔

ربنا لا تو اخذنا ان نسينا او اخطأنا ربنا و لا تحمل علينا اصراً كما حملته، على الذين من قبلنا ربنا و لا تحملنا ما لا طاقة لنا به و اعف عنا و اغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين.

اور ہم اس رسالہ کو خاتمہ حسنہ کے ساتھ اور اہلِ بیت کے مناقب، مدائح اور فضائل کے ذکر کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

مناقبِ اہل بیت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' بے شک اللہ کا ارادہ تو یہی ہے کہ وہ اے اہل بیت تم سے آلودگی کو دور کر دے اور تمہیں پاک کر دے جیسے اس کا حق ہے، اکثر مفسرین کرام اس پر ہیں کہ یہ آیت حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی۔ کیونکہ ضمیر عنکم اور اس کے بعد بھی ضمیر مذکر ہے۔ اور کہا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرہ کی شان میں اُتری کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واذکرن ما یُتلٰی فی بیوتکن، یعنی ان کا یاد کریں جوان کے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں) یہ تفسیر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے۔ اور کہا گیا ہے اس سے مراد واحدِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ امام احمد نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ یہ آیت حضور نبی اکرم، حضرتِ علی و فاطمہ، حسن و حسین ان پانچوں کے بارے میں نازل ہوئی، اور ثعلبی نے کہا اس کی مراد تمام بنو ہاشم ہیں، رِجس سے مراد ہے گناہ اور ایمان کے واجبات میں شک کرنا۔ بعض طرق میں آگ پر اُن کی تحریم کو ثابت کیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا جب یہ آیت'' ندع ابناء نا و ابناء کم'' نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ علی فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور عرض کیا اے اللہ یہ ہیں میرے اہلِ بیت،

☆ مِسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میری جگہ گوشہ ہے جس نے اس سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا ایک روایت میں ہے وہ مجھے تکلیف دیتا ہے جس نے اُسے تکلیف دی۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دِن کے کسی حصے میں باہر نکلا حتی کہ حضور کاشانہ فاطمہ پر تشریف لائے۔اور فرمایا کیا یہاں بچہ ہے، کیا یہاں بچہ ہے۔یعنی حسن ہے۔کچھ دیر بعد حسن دوڑتے ہوئے آئے اور دونوں آپس میں لپٹ گئے۔اس وقت حضورِ اقدس نے کہا اے اللہ میں اِس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر، اور اس سے محبت کر جو اس سے محبت کرے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی بھی حضرتِ حسن سے زیادہ حضور سے مشابہ نہیں تھا، اور امام حسین کے بارے میں بھی انہوں نے یہی فرمایا۔وہ بھی رسول اللہ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔رضی اللہ عنہما۔

☆ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رُسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اگر تم اُن کو پکڑ لو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے، ان میں ایک دوسری سے بڑی ہے (وہ) اللہ کی کتاب ہے آسمان سے زمین کی طرف سیدھی رسی ہے۔اور میری عترت، میرے اہل بیت، یہ دونوں کبھی جُدا نہ ہوں گے جہاں تک کہ حوض پہ ملیں، پس دیکھو، میرے بعد تم ان سے کیا کرتے ہو،

☆ انہی سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ علی، فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میں اِن سے جنگ کرنے والے کا دشمن ہوں، اور ان سے دوستی رکھنے والے کا دوست ہوں۔

☆ جمیع ابن عمیر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اس نے حضرت عائشہ سے سوال کیا، کہ

لوگوں میں سب سے زیادہ کون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے، انہوں نے فرمایا فاطمہ، کہا گیا مردوں سے، فرمایا ان کا شوہر،

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین دُنیا سے میرے پھول ہیں۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک حسن سینے سے لے کر سر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور حسین ''سینے سے قدموں تک سب سے زیادہ مشابہ۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ حسن کو اپنے شانہ اقدس پر اٹھا رکھا تھا، ایک آدمی نے کہا اے بیٹے تیری سواری کتنی ہی اچھی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور سوار بھی کتنا ہی اچھا ہے۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بے شک لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہنے کے لئے میری باری کے دِن زیادہ ہدیے بھیجا کرتے تھے، حضور کی ازواجِ مطہرہ کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں اور دوسرے گروہ میں امِ سلمہ اور ساری ازواج، امِ سلمہ کے گروہ نے اُمِ سلمہ سے کہا کہ وہ حضور سے بات کریں کہ حضور لوگوں کو ارشاد فرمائیں کہ وہ وہاں ہدیے بھیجا کریں جہاں وہ موجود ہوں۔ حضور نے ان سے فرمایا مجھے عائشہ کے بارے میں اذیت نہ دو، بے شک مجھے عائشہ کے سوا کسی زوجہ کے پردے میں وحی نہیں آتی۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں آپ کو اذیت دینے سے اللہ کے ہاں توبہ کرتی ہوں۔ پھر اس گروہ

نے حضرتِ فاطمہ کو اس معاملہ کے لئے حضور کے پاس بھیجا، حضور نے ان سے فرمایا اے بیٹی کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی "کیوں نہیں"، حضور نے فرمایا تو مجھے عائشہ سے محبت ہے۔

☆ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے ازواجِ رُسول میں سے کبھی کسی پر اتنی غیرت نہ کھائی جتنی حضرتِ خدیجہ پر، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ لیکن حضور اُن کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے۔ بہت مرتبہ بکری ذبح فرماتے تو اُس کے اعضاء کاٹ کر ان کی سہیلیوں کو بھیجتے۔ میں نے کئی بار اُن سے عرض کی حضور! کیا دنیا میں حضرت خدیجہ کے سوا کوئی اور عورت نہیں؟ فرمایا جو وہ تھیں سو وہی تھیں، اُن سے میری اولاد ہوئی۔

☆ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عباس مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں۔

☆ انہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں کھلاتا ہے۔ اور اللہ کی محبت کے لئے مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کے لئے میرے اہلِ بیت سے محبت کرو۔

☆ حضرتِ ابوذر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ انہوں نے کعبہ کے دروازہ کو تھام رکھا تھا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ خبردار میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتیِ نوح کی (طرح) ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا ہلاک ہو گیا۔ یہی بیان اس رسالہ کا آخر ہے

الٰہی بحق بنی فاطمہ — کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ

اگر دعوتم رد کنی در قبول — من و دست و دامانِ آلِ رسول

الحمد للّٰہ سبحانہ' علی الاختتام و الصلوۃ و السلام علی حبیبہ محمدٍ النبی الامی سیّد الانام اِلی یوم القیام

--------ooo---------

تحشیہ

۱؎ یہاں عتاب کا لفظ اُن معنوں میں نہیں جو دوسروں کے لئے مستعمل ہیں، اِس عتاب میں محبت کے ہزاروں باب ہیں۔اس جلال میں عنایت کے لاکھوں جمال ہیں۔محبوب کی یہ وہ جفا ہے جو بقولِ مجدد وفا سے زیادہ لذت بخش ہے۔(مکتوب ۵۷ جلد۲)

۲؎ امورِ عقلیہ اور احکامِ اجتہادیہ میں صحابہ کرام کی مجالِ اختلاف اور مساغِ خلاف کا ذکر آیا تو خوب یاد رہے کہ یہاں اختلاف و خلاف معروف معنوں میں اِستعمال نہیں ہے۔شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمتہ کے مطابق اس کلام میں ''اضطراب وخلط'' کے طور پر استعمال ہوا ہے۔جہاں تک وحی نہ آنے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کا تعلق ہے تو اس پر تمام اہلِ اُصول متفق ہیں۔حضور کے وہ احکامِ اجتہادیہ اور اُمورِ عقلیہ جن پر حضور نے عزم فرمایا، جن کا حکم دیا۔جن کی اتباع کو واجب قرار دیا اُن سے تمسک بالکل وحیِ الٰہی سے مستند احکام سے تمسک کی طرح ہے،اِس پر قرآنِ پاک شاہد ہے۔خدا کی پناہ حضرتِ مجدد کا یہ منشا نہیں کہ حضور کے اس اختیارِ تشریعی کے مقابلے میں اُن کو مجالِ اختلاف اور ''مساغ خلاف'' حاصل تھا۔اس کی وضاحت انہوں نے خود آگے چل کر فرمادی ہے۔

ہاں جو کام حضور نے سبیلِ عادت اور استحباب کے طور پر سرانجام دیئے اُن

کے ترک میں شرعاً کوئی حرج نہیں کہ جس پر کوئی زبانِ طعن دراز کی جائے۔ حدیث ایتونی بقرطاس کا حکم بھی اسی قبیل سے تھا۔ اگر یہ منصبِ نبوت کے فرائض وواجبات سے ہوتا تو جو نبی کفارِ مکہ کے تندوتیز ماحول میں اپنے فرائض وواجبات پہنچا کر رہے وہ اپنے صحابہ کے ماحول میں کیسے فراموش کردیتے۔ یہ ایک حکم مستحب تھا جس پر صحابہ سے اضطراب ظاہر ہوا اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالتِ طبعی کو دیکھ کر ہوا یا دیگر احکامِ استحباب میں اُنہوں نے اپنے طور پر دین اور پیغمبر دین کی عزت وحرمت سمجھتے ہوئے ان میں اپنا اضطراب ظاہر کیا اور اللہ اور رسول کے عطا فرمودہ اظہار رائے کا استعمال کیا تو اس سے وہ مجرم نہیں ہوئے۔ اور اللہ اور رسول کے کسی فرمان نے اُنہیں مجرم قرار نہ دیا ہے۔

یہ مسئلہ سمجھنے کے لئے جاننا ضروری ہے کہ احکامِ شریعت میں ''اختلاف و خلاف'' کے متعدد معانی متعین ہیں۔ اس کا معنی ردوانکار بھی ہے۔ جو کفر ہے۔ یہ حضور کی بارگاہ میں کئے گئے کلامِ اعراض پر بھی منطلق ہے جس پر حضور نے کوئی اقدام نہ فرمایا، جس کی کوئی مخالفت نہ فرمائی۔ اگر یہ اِختلاف کے حقیقی معنی میں نہ ہوتو جائز ہے جب نبی اکرم صحابہ کرام سے مشورہ لیتے اور اُن سے صریح رائے یا دلیل طلب فرماتے تو صحابہ کرام (اِس قسم کے خلاف) سے بھی کام لیتے تھے۔ کئی بار اس کا اطلاق امرونہی کے بارے میں معصیت پر بھی ہوتا ہے جس سے درجاتِ اختلاف کے لحاظ سے فسق یا بدعت یا مکروہ کے احکام نکلتے ہیں۔ بعض دفعہ اس کا اطلاق اس کام کے چھوڑنے پر ہوتا ہے جو کلام نبی اکرم صلی اللہ عایہ وسلم نے عبادت کے علاوہ بطورِ عادت سرانجام دیا، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کیونکہ ترکِ مندوبات اور فعل مکروہات کی سزا نہیں۔

لہٰذا حضور کے احکامِ اجتہادیہ میں صحابہ کرام کی ''مجالِ اختلاف'' حقیقی معنوں

پر محمول نہیں کی جا سکتی، اس کا جو جائز معنی ہے وہی حضرتِ مجدِد کی مراد ہے۔ کما صرّح فی تحقیقہٖ

حضرتِ مجدد نے جو قاضی بیضاوی کا قول نقل فرمایا کہ انبیاء کرام اجتہاد فرماتے ہیں اور وہ کبھی خطا ہوتا ہے اگرچہ اس پر اُن کا اِستقرار نہیں ہوتا۔ خبردار! یہ خطا بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور وہ فعل ہے جو خلافِ معمول ہوا ما کان لنبیٍ آیت کی شانِ نزول میں دراصل خطاءِ اجتہادی بعض صحابہ کرام سے سرزد ہوئی مگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا جیسا کہ قرطبی نے فرمایا وھذہٖ الایہ نزلت یوم بدر عتاباً من اللّٰہ لاَصحاب نبیہٖ یہ آیت بدر کے دن اللہ کی طرف سے اصحاب نبی کے لئے عتاباً نازل ہوئی (کیونکہ اُنہوں نے حضور کو فدیہ کا مشورہ دیا تھا) یاد رہے کہ بعض دفعہ حکم سماوی میں مخاطب نبی ہوتا ہے اور مراد اُمت ہوتی ہے۔ نیز جس خطا پر استقرار نہ ہو وہ حقیقت میں خطا نہیں ہوتی کما لا یخفی علی اھلِ البصیرۃ

کیا نبی اکرم ﷺ کا ہر قول وحی الٰہی ہے؟

حضرت مجدد کے رسالہ مبارکہ ردِ روافض میں متعدد مقامات کی وضاحت حضرت غزالیِ زماں مولانا سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمہ کے اس تحقیقی مضمون میں دیکھی جا سکتی ہے۔ افادہ عام کے لیے یہ مضمون شامل کیا جا رہا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں مطاعن فاروق اعظم کے تحت لکھا ہے کہ نبی کا ہر قول وحی الٰہی نہیں اپنے اس دعوے کے دلیل میں انہوں نے چند

فرمایا(۲) لو لا کتاب من اللہ الایۃ بدر کے قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے پر اس قدر سختی کیوں وقوع میں آئی۔حالانکہ ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کا ہر قول وحی ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔ فوالذی نفس بیدہ مایخرج منہ الاحق۔ذرا وضاحت فرما دیجیے کیوں کہ ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے۔مولوی محمد صدیق معرفت سید محمد عبداللہ شاہ مدرسہ انوار الابرار بیرون دہلی گیٹ ملتان۔

جواب

مولانا المحترم و علیکم السلام و رحمتہ اللہ

کارڈ پہنچا جسے پڑھ کر اس لیے افسوس ہوا کہ اس زمانے میں علم کا فقدان ہوتا جا رہا ہے آپ نے لکھا ہے کہ ''ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کا ہر قول وحی ہے'' کسی اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں بلکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کا ہر قول من حیث النبوۃ و الرسالہ وحی ہے' قرآن وحدیث میں واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ نبی کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں (۱) نبوت اور رسالت (۲) بشریت۔ نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے ہر قول کا وحی منزل من اللہ ہونا پہلی جہت کے ساتھ مختص ہے نبی کریم ﷺ کے ایسے قول کو قبول نہ کرنا کفر ہے جو نبوت و رسالت کی جہت سے صادر ہوا ہو۔بخلاف اس قول کے جس کا صدور من حیث البشریہ ہو کہ اسے تسلیم نہ کرنا ہرگز کفر نہیں۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحفہ اثناء عشریہ میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات مقدسہ سے اس طعن کو دفع فرما رہے ہیں کہ انہوں نے حکم نبوی 'ایتونی بقرطاس'' کو' حسبنا کتاب اللہ'' کہہ کر رد کر دیا طعن کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر کا ہر قول وحی منزل من اللہ ہے اور وحی منزل من اللہ کا رد کفر ہے لہذا حضرت عمر (معاذ اللہ)

کافر ہو گئے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر حکم وحی نہیں شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ وحی منزل من اللہ حضور ﷺ کا وہی حکم ہے جو من حیث الرسالہ ہو اور اسی کا رد کرنا کفر ہے لیکن جو حکم من حیث البشریہ ہو وہ وحی منزل من اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا انکار کفر قرار پا سکتا ہے۔ لہذا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ حکم من حیث الرسالہ ہے اس وقت تک اس کے انکار کو کفر قرار دینا ہرگز صحیح نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم "ایتونی بقرطاس" من جہت الرسالہ نہ تھا کیونکہ اس کے مقتضیٰ پر کسی نے عمل نہیں کیا اگر اس حکم کو من جہت الرسالہ کہا جائے تو حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ پر بھی حکم خداوندی "فاستقم کما امرت" کی خلاف ورزی کا الزام عائد ہو گا جو باطل محض ہے۔ لہذا واضح ہو گیا کہ یہ امر من جہت الرسالہ نہ تھا۔ پھر اسے تسلیم نہ کرنے کی بناء پر حضرت عمر پر طعن کرنا اور ان پر کفر کا الزام لگانا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

یہ امر آخر ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر وہ قول جو من جہت البشریہ ہو وحی منزل من اللہ نہ ہونے کے باوجود بھی حق ہے کیونکہ حق ہونے کے لئے وحی ہونا ضروری نہیں ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے ہر وحی کا حق ہونا ضروری ہے۔ اور ہر حق کا وحی ہونا ضروری نہیں ابوداؤد شریف کی حدیث میں مایخرج منہ الا الحق وارد ہے "الا وحی" نہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ہر قول کے وحی ہونے کی نفی کی ہے حق ہونے کی نفی نہیں کی۔ رہا یہ امر کہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آیۂ کریمہ ان ھو الا وحی یوحی کو قرآن مجید کے ساتھ مخصوص قرار دیا تو یہ شان نزول کے اعتبار سے ہے۔ اور اس تخصیص کا مقصد صرف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ

کا جو نطق من حیث الرسالہ نہ ہو اس آیۂ کریمہ سے اسے وحی منزل من اللہ ہونا ثابت کرنا اور اس پر طعن کی بنیاد رکھنا بناء الفاسد علی لفاسد ہے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ قرآن مجید سے سوا حضور ﷺ کا کوئی نطق بھی وحی الٰہی نہیں ہے خواہ وہ من حیث الرسالہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس تقریر پر علی الاطلاق تمام احادیث نبویہ کے وحی ہونے کا انکار لازم آئے گا جو کفر خالص ہے۔ جن آیات کو حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دعوی کی دلیل میں پیش فرمایا ان کے مطالب میں ادنی تامل کے بعد یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جن اقوال و افعال مبارکہ پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی طرف عتاب نازل فرمایا۔ وہ فی الواقع من حیث الرسالہ حضور اکرم ﷺ سے سرزد نہ ہوئے تھے اسی لیے وہ وحی الٰہی بھی نہیں ہو سکتے لیکن ان کے وحی نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معصیت یا حق کے خلاف تھے۔ کیونکہ حضور ﷺ اس سے معصوم ہیں کہ آپ سے کوئی معصیت یا خلاف حق قول یا فعل صادر ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ من حیث البشریہ حضور ﷺ سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہو جائے جو خلاف حق تو نہ ہو مگر کسی اعتبار سے خلاف ادنی ہو اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے ہی امور منشاء عتاب ہیں۔ یہاں اس امر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ عتاب میں خواہ شدت بھی کیوں نہ ہو وہ محض سورۃ عتاب ہے حقیقتاً مبنی پر حکمت ہونے کی وجہ سے خطاب محبت ہے اس اجمال کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہم نے دیگر مضامین میں مدلل طور پر اسے بیان کر دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کا نطق مبارک مطلقاً ھوی سے پاک ہے اور وہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا من جھت الرسالہ ہوگا یا من جھت البشریہ پہلی صورت میں وحی الٰہی ہے۔ عام اس سے کہ وحی متلو ہو یا غیر متلو اور دوسری صورت میں حق ہے عام اس سے کہ

کسی اعتبار خاص سے وہ خلاف اولیٰ ہو یا نہ ہو۔جن علماء اہل سنت نے رسول اللہ ﷺ کے جمیع اقوال وافعال اور جملہ احوال شریفہ کو وحی قرار دیا ان کے پیش نظر صرف جہت رسالت ہے اور جن حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے جمیع اقوال وافعال واحوال من حیث الکلیہ (من ناقلہ) وحی ہونے کا انکار کیا ان کے پیش نظر جہت رسالت کے ساتھ جہت بشریت بھی ہے۔ان حضرات نے صرف انہی اقوال وافعال کو وحی قرار دیا جو جہت رسالت سے ہوں اور جن کا صدور جہت البشریت سے ہو ان کی وحی منزل من اللہ ہونے کی انہوں نے نفی فرمائی اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں لیکن کسی اہل سنت عالم دین نے حضور نبی کریم ﷺ کے کسی قول یا فعل یا حال کو خلاف حق قرار نہیں دیا حتیٰ کہ بعثت مقدسہ سے قبل بھی حضور ﷺ کو خلاف حق امور سے پاک مانا مضمون کی حد تک فقیر نے وضاحت کر دی ہے اور یہ وضاحت ایسی ہے کہ اس کی روشنی میں اہل علم پر اس کے دلائل واضح ہوتے چلے جائیں گے اگر اب بھی کوئی شبہ باقی ہو تو تحریر کیجیے انشاء اللہ جواب دیا جائے گا اور اگر آپ مطمئن ہو جائیں تو بذریعہ خط فقیر کو اطلاع ضرور دے دیں تا کہ تردد نہ رہے۔